اکتوبر ۱۹۸۹ء

ماہنامہ

لاہور

میثاق

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

★ مغرب کے بدلتے ہوئے حالات اور مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل

بلادِ مغرب کے سفر سے واپسی پر امیر تنظیم اسلامی کا خطاب

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

SV ADVERTISING

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۳۸
شمارہ: ۱۰
ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
اکتوبر ۱۹۸۹ء
فی شمارہ -/۵
سالانہ زرتعاون -/۵۰

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات۔ ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا۔ ۶۔ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ۔ ۹۔ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔ ۱۲۔ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴
سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶
پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ——— ۳

عاکف سعید

تذکرہ وتبصرہ ——— ۵

مغرب کے بدلتے ہوئے حالات اور مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل

بلادِ مغرب سے واپسی پر امیر تنظیم اسلامی کا خطابِ جمعہ

الہدیٰ ——— ۳۳

تواصی بالحق کا ذروۂ سنام: جہاد و قتال فی سبیل اللہ

ڈاکٹر اسرار احمد

دعوت وتحریک ——— ۴۳

تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات سے

دردمندانہ گزارش

سید تنظیم حسین

رفتارِ کار ——— ۵۳

مرتب: رحیم کاشغی

افکار و آرا ——— ۵۷

اخباری صنعت بدکاری کو فروغ دے رہی ہے!

رُودادِ سفر ——— ۶۱

بلادِ مغرب میں چالیس دن

مرتب: قمر سعید قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب قریباً اکتالیس روز ملک سے باہر گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیر و عافیت ۲۱ ستمبر کو پاکستان واپس تشریف لے آئے تھے۔ اس دعوتی و تنظیمی سفر کا زیادہ حصہ امریکہ کے لیے مختص تھا اور ضمنی طور پر جاتے ہوئے پیرس میں دو دن کا قیام اور واپسی پر لندن میں چار دن کا قیام بھی دورے کے پروگرام میں شامل ہو گیا تھا۔ سفرِ واپسی پر عمرہ کا ارادہ تو تشکیلِ پروگرام کے وقت سے تھا ہی، اللہ تعالیٰ نے عملاً بھی پورا کرا دیا ـــــ محترم قمر سعید قریشی صاحب کی مرتب کردہ اس طویل دورے کی مفصل روداد، حسب وعدہ، اس شمارے میں شامل کر دی گئی ہے۔ اس سفر کے دوران چونکہ امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے حوالے سے امیر محترم نے بعض خوشگوار تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا تھا لہٰذا اس حوالے سے ان کی طبیعت میں انشراح و انبساط کی کیفیت بھی تھی اور دورے کے پروگراموں اور امریکہ میں دعوت رجوع الی القرآن کے فروغ پر ایک گونہ اطمینان بھی تھا۔ سفر سے واپسی کے معاً بعد ۲۲ ستمبر کو مسجد دارالسلام لاہور میں جمعہ کے خطاب میں امیر محترم نے اپنے ان تاثرات و مشاہدات کو تفصیل سے بیان کیا اور امریکہ میں اسلام کے مستقبل کے حوالے سے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں بھی اپنے خیالات کو کھول کر بیان کیا۔ خطاب کا عنوان تھا، "مغرب کے بدلتے ہوئے حالات اور مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل"۔ قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر اس خطاب کو بھی شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔

پاکستان واپس آتے ہی امیر محترم پر بے پناہ مصروفیات نے گویا یلغار کر دی۔ ۲۱ کی صبح لاہور پہنچنے کے بعد سفر کی تھکان اتارنے بھی نہ پائے تھے کہ اسی روز قرآن کالج میں ایف اے کے نئے داخلوں کے سلسلے میں طلبہ کے انٹرویوز کا آغاز ہو گیا۔ ۲۲ کو مسجد دارالسلام میں خطابِ جمعہ تھا تو ۲۳ کا پورا دن پھر انٹرویوز کی نذر ہو گیا۔ ۲۴ تا ۲۷ ستمبر چار دن کراچی کے لیے مخصوص تھے جہاں شدید مصروفیت گویا امیر تنظیم کی منتظر تھی۔ ۲۸ ستمبر کو لاہور واپسی ہوئی تو اسی روز لاہور کی پانچوں تنظیموں کے مشترکہ اجتماع میں شرکت کی اور رفقاء سے خطاب فرمایا۔ ۲۹ اور ۳۰ ستمبر دو دن قرآن کالج کے لیے لیکچرر حضرات کے انٹرویوز میں گزرے تو یکم اکتوبر سے تنظیم اسلامی کی

سہ روزہ توسیعی مشاورت شروع ہوگئی جس سے متصل ۴ اور ۵ اکتوبر کو مرکزی شوریٰ کا دو روزہ اجلاس بھی تھا۔ ۶ تاریخ کو جمعہ کی مصروفیت رہی اور ۷ اکتوبر کا دن بی اے کلاس اور ایک سالہ کورس میں داخلے کی درخواست دینے والے طلبہ کے انٹرویوز کے لیے مخصوص تھا۔ اس کے معاً بعد اسلام آباد میں 'شام الہدیٰ' کا پروگرام طے ہے اور وہاں سے واپسی پر ۱۱ یا ۱۲ اکتوبر کو انہیں بھارت کے پندرہ روزہ دورے کے لیے روانہ ہونا ہے جہاں حیدر آباد دکن میں ۱۲ ربیع الاول کے مرکزی جلسے سے انہیں خطاب کرنا ہے۔ یہ پروگرام امیر کی روانگی سے قبل طے پاچکا تھا۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں سے ایک حصہ مستقلاً امیر تنظیم کے لیے خاص کر دیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمت و صحت عطا کیے رکھے اور دین کی راہ میں انکی جد وجہد کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔

تنظیم اسلامی نے منکرات کے خلاف آواز اٹھانے کے ضمن میں پُرامن احتجاجی مظاہروں کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، قارئین کے علم میں ہے کہ اس کا آغاز اخبارات میں بڑھتی ہوئی بے پردگی و عریانی کے خلاف احتجاج سے کیا گیا تھا۔ لاہور کے علاوہ کراچی، ملتان اور راولپنڈی میں بھی ان مظاہروں کے پروگرام ترتیب دیئے گئے۔ حال ہی میں ۲۷ ستمبر کو لاہور میں تنظیم اسلامی کے رفقاء نے سیور ریفل ٹکٹ اسکیم کے خلاف ریگل چوک میں مسجد شہداء کے باہر ایک پرامن خاموش احتجاجی مظاہرہ کیا ہے جس کی صدائے بازگشت اخبارات میں بھی سنائی دی۔ گو سیور ریفل کے خلاف یہ مظاہرہ اتنا بھرپور اور مکمل نہیں تھا جتنا کہ اِس سے قبل اخبارات میں عریانی کے خلاف کیئے گئے مظاہرے متاثر کن اور بھرپور رہتے۔ بہر حال حالیہ مظاہرے سے تنظیم اسلامی کے احتجاجی مظاہروں میں ایک نئی جہت کا آغاز ضرور ہوا ہے۔ یاد رہے کہ یہ مظاہرے نہی عن المنکر باللسان کے قبیل سے ہیں اور ان سے مقصود عوام تک اپنی بات پہنچانا ہی نہیں، اپنے رفقاء کی تربیت اور ٹریننگ بھی ہے۔ الحمد للہ کہ یہ دونوں مقاصد باحسن وجوہ پورے ہو رہے ہیں۔

زیر نظر شمارے میں "تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات کی خدمت میں ایک دردمندانہ گذارش" کے عنوان سے کراچی کے سید منتظم حسین صاحب کا ایک مضمون شامل ہے ۔ قارئین میثاق اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ تبلیغی جماعت کے بارے میں تنقیدی مضامین کی اشاعت سے بالعموم 'میثاق' کے صفحات

(باقی صفحہ ۵۲ پر)

تذکرہ وتبصرہ

مغرب کے بدلتے ہوئے حالات
اور
مسلمانوں کے لئے لائحۂ عمل

بلادِ مغرب کے سفر سے واپسی پر امیر تنظیم اسلامی کا خطاب جمعہ

حمد وثنا اور درود وسلام کے بعد ـــ

چھ جمعوں کے وقفہ کے بعد آپ حضرات سے آج ملاقات ہو رہی ہے ۔ اکتالیس دن میرے ملک سے باہر گزرے ۔ جن میں سے چھبیس دن امریکہ میں ، چار دن لندن میں ، دو دن پیرس میں اور بقیہ الحمد للہ سعودی عرب میں گزارے ، جہاں عمرہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی ۔ اتنے طویل وقفہ کے بعد جب بھی حاضری ہوتی ہے تو فطری طور پر اپنے دل میں بھی خیال آتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ سامعین کے اندر بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہوگی کہ اس سفر کے دوران اگر کوئی نئے مشاہدات ہوئے ہوں ، بین الاقوامی حالات میں کوئی نیا رجحان سامنے آیا ہو تو ان مشاہدات اور اپنی تازہ معلومات میں آپ حضرات کو بھی میں شریک کروں ۔ اس مرتبہ خاص طور پر امریکہ کے ۲۵ دنوں کے دوران اور اسی طرح پیرس ولندن میں جو مختصر وقت گزرا اس عرصے میں دو مشاہدات ایسے میرے سامنے آئے ہیں کہ جو نئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کو بھی ان میں شریک کروں ۔

دو نئے مشاہدات

اہلِ مغرب پر مستی اور سرخوشی کا نشہ طاری ہے

میرا پہلا مشاہدہ یہ ہے کہ مغربی دنیا کا دانش ور طبقہ ، اُن کے مدبّرین اور سوچنے سمجھنے والے

لوگ بالعموم اس وقت ایک سرور انگیز اور سرور آمیز سرمستی میں مبتلا ہیں۔ انگریزی کا ایک لفظ ہے یوفوریا (EUPHORIA) جو اس وقت پورے طور پر ان پر صادق آتا ہے۔ یعنی کسی کا اپنے بارے میں یہ احساس کہ وہ اس وقت سربلند ہے، عزّت اس کی ہے اور اسے کسی قسم کا کوئی خطرہ اور اندیشہ لاحق نہیں ہے۔ اردو زبان میں اس کیفیت کو آپ 'سرمستی' کے لفظ سے تعبیر کر لیجیے۔ بہرکیف مغربی دنیا کے دانشور اور مدبّرین متعدّد اسباب کی بنا پر آج کل اس کیفیت میں سرشار ہیں۔ میں نے خاص طور پر مدبّرین اور دانشوروں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ بالعموم مغربی ممالک کا حال یہ ہے کہ وہاں کے عوام سوائے اپنی روٹی اور اپنے دھندے اور اپنی عیش کے کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ دُنیا کے سب سے زیادہ متمدّن ملک امریکہ کا حال یہ ہے، جو محض دنیا کی عظیم سپر پاور ہی نہیں مغربی تہذیب کا امام بھی ہے کہ دنیا کے مسائل کے بارے میں وہاں کے عوام سے زیادہ لاعلم (UNINFORMED) اور گرد و پیش سے بے خبر آدمی شاید پوری دنیا میں اور کہیں نہ پائے جاتے ہوں۔ انہیں کچھ خبر نہیں ہے کہ دوسرے ممالک میں کیا ہو رہا ہے، دنیا کے حالات کس طرف جا رہے ہیں، یہاں تک امریکہ کے ایک خطّے میں بسنے والے افراد کو بالعموم امریکہ کے دوسرے خطّوں کے بارے میں معلومات نہیں ہوتیں۔ دراصل اُن کی تہذیب کچھ ایسی ہے کہ پانچ دن وہ حیوانوں کی طرح کام کرتے ہیں اور اس طرح اپنے کام میں جُتے رہتے ہیں کہ اُنہیں دائیں بائیں کی ہوش نہیں رہتی اور پھر دو دن جو چھٹی کے انہیں ملتے ہیں وہ بھرپور مستی، تفریح اور عیش میں گزارتے ہیں اور اس دوران وہ اس سے قطعاً بے فکر ہوتے ہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور گرد و پیش حالات کا رُخ کس طرف ہے!

اس اعتبار سے اگر غور کیا جائے تو اگرچہ بدنام تو روس ہے کہ وہاں کے عوام اور بقیہ دنیا کے مابین IRON CURTAIN (آہنی پردہ) حائل ہے جس کے باعث وہاں کے عوام دنیا کے حالات سے قطعی بے خبر رہتے ہیں اور انہیں آزادی نصیب نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بڑا باریک سا اور ظاہری سا فرق ہے۔ مغربی دنیا میں بھی عام لوگ اپنے مسائل میں اتنے لتا پتن اور اُلجھے ہوتے ہیں، اور اپنی معاش، اپنی روزی، اپنا پروفیشن اور پھر جو دو دن ان کے پاس بچتے ہیں اس میں عیش آرام اور عام تفریح کے چکّر میں اس طرح گم ہیں کہ بظاہر وہ آزاد ہیں لیکن انہیں حقیقت میں یہ موقع نہیں ملتا کہ وہ اپنے مسائل یا دنیا کے مسائل کے بارے میں غور و فکر کر سکیں نہ اُن فلسفیانہ سوالات پر سوچ بچار کی جانب اُن کا ذہن متوجّہ ہوتا ہے جو عقلی و شعوری

بلوغت کو پہنچنے والے ہر فرد کے ذہن میں پیدا ہونے چاہئیں کہ میں کون ہوں ! کہاں جا رہا ہوں، یہ جو زندگی کا قافلہ رواں دواں ہے اس کی منزل کیا ہے ! موت پر یقیناً ایک خاتمہ تو ہے لیکن کیا یہ بالکل ہمارے معدوم ہو جانے کا نام ہے یا زندگی کا تسلسل کسی اور شکل میں باقی رہے گا ! ان اہم مسائل پر غور و فکر سے بھی اُن لوگوں کے شب و روز خالی ہیں ۔ اُن کی اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے جگر کا یہ شعر ذہن میں آیا تھا کہ ؂

اُس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے؟

کوئی آپ کو اپنی محبت میں گرفتار کر لے اور پھر چھوڑنے کا دعوٰی کرے، اب آپ گرفتار تو ہیں اُن کی محبت میں، اس کے دام سے تو نہیں نکل سکتے حالانکہ بظاہر آپ آزاد ہیں ۔ تو مغربی معاشرہ میں بظاہر آزادی کا مظہر ہے لیکن حقیقت میں لوگ متذکرہ بالا دو اعتبارات سے ذہناً مشغول رہتے ہیں کہ مزید کچھ سوچنے سمجھنے کے لئے ان کے پاس نہ وقت ہے نہ موقع!

اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ میں مغربی دنیا کے عام لوگوں کی بات نہیں کر رہا جنہیں دنیا کے مسائل سے کوئی سروکار ہے ہی نہیں، البتہ وہاں کے دانش ور، سیاست دان اور مدبّرین کے بارے میں میرا مشاہدہ ہے کہ اس وقت وہ عجیب مسرت و انبساط اور سرمستی و سرخوشی کے عالم میں نظر آتے ہیں ۔

دانشورانِ اہلِ مغرب کی سرمستی کے اسباب

اس کے دو بڑے بڑے اسباب ہیں ۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ روس کو، جو اُن کا پُرانا حریف بھی ہے اور برابر کی چوٹ بھی، عسکری اعتبار سے افغانستان میں شکست و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا ہے ۔ چنانچہ ایک فتحمندی اور بالاتری کا نشہ ہے جو امریکہ اور اس کے حلیف مغربی ممالک پر طاری ہے ۔ ثانیاً روس اور اس کے ساتھ ساتھ چین میں بھی جس طرح نئی آزادی کی انگڑائیاں لے رہی ہے اور نظریاتی اعتبار سے دونوں ممالک میں پسپائی کی جو صورت نظر آ رہی ہے ۔ اور جس طرح ان کے عوام کے اندر شکست و ریخت کے آثار ہیں، اس پر بھی مغربی دانشور فتح کے شادیانے بجا رہے ہیں اور نظریاتی محاذ پر اپنی بالادستی کے نشے میں چور نظر آتے ہیں ۔

آپ کے علم میں ہے کہ بحیرہ بالٹک پر روس کی جو چھوٹی چھوٹی تین ریاستیں ہیں ان تینوں میں

بغاوت کے آثار نظر آنے لگے ہیں ۔ اسی طرح ایران اور ترکی کی سرحد کے ساتھ آذربائیجان اور آرمینیا وغیرہ کی ریاستوں میں بھی اب آزادی کی لہریں بڑی تیزی سے اٹھ رہی ہیں ۔ بلکہ میں آج سوچ رہا تھا تو مجھے تعجب ہوا کہ ابھی اس قسم کی خبریں ترکستان کے علاقے سے نہیں آئی ہیں، حالانکہ کچھ ہی عرصہ پہلے ہمیں بہت سے حضرات نے اطلاع دی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اُن کی اطلاع پر شک کرنے کا میرے پاس کوئی جواز نہیں تھا کہ جہادِ افغانستان کے اثرات ترکستان، قازقستان اور سمرقند و بخارا کی ریاستوں میں، جو ایک دور میں اسلامی تہذیب کا گہوارہ تھیں، تیزی سے پھیل رہے ہیں اور توقع تھی کہ سب سے پہلے بغاوت کا عَلَم یہاں سے بلند ہوگا ۔ اور علاّمہ اقبال کا وہ شعر اب دوسری صورت میں سامنے آئے گا کہ

ع از خاکِ سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے ، ہنگامۂ چنگیزے

لیکن حیرت ہے کہ ابھی تک ان ریاستوں میں روس کے خلاف بغاوت کے آثار بظاہر نظر نہیں آرہے ۔ تاہم اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ ابھی اندر ہی اندر کھچڑی پک رہی ہو اور بغاوت کی آگ اندر ہی اندر سلگ رہی ہو ۔ واللہ اعلم ! لیکن بالفعل بالٹک اسٹیٹس میں اور آرمینیا اور آذربائیجان وغیرہ میں روس کے خلاف جو بغاوتیں ہو رہی ہیں اور مشرقی یورپ کے ممالک جس طرح انگڑائیاں لے رہے ہیں، اور جرمنی کی سرحد کے ذرا سے کھلنے پر جس طرح سے وسیع پیمانے پر گویا لوگ قید خانے سے نکل کر بھاگ رہے ہوں، یہ تمام مظاہر نظریاتی محاذ پر روس کی شکست کے ہیں، اور اہلِ مغرب اپنی اس فتح پر گھی کے چراغ جلا رہے ہیں کہ ہمارا ہی نظام برتر و اعلیٰ ہے، اور ہمارا نظریہ ہی سربلند ہے ۔ اور فی الواقع گوربا چوف نے جس طرح اپنے نظام میں لچک پیدا کی ہے تو گویا اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے کہ واقعتہً مغربی نظام ہی برتر و بہتر ہے، جو شخصی آزادی کے اصول پر مبنی نظام ہے ۔ انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ آزاد معیشت کا نظام اگر نہیں ہوگا تو ہم دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے ۔ چنانچہ اُن کا نظام اب شکست و ریخت سے دوچار ہے ۔ نتیجہ یہ ہے کہ مغربی مفکرین کا اپنے نظام پر اعتماد مزید بڑھ گیا ہے اور یہ خمار ان کے ذہنوں پر چھایا ہوا ہے کہ ہمارا نظام ہی فطرت کے تقاضوں کے قریب تر بھی ہے اور دیگر تمام نظاموں سے بہتر بھی ہے ۔

'بنیاد پرستانہ' اسلام کی ناکامی

اس سرمستی اور نشہ کی ایک دوسری وجہ اور بھی ہے اور وہ بڑی گہری ہے ۔ وہ یہ ہے کہ مغرب میں ایک خطرہ کا احساس قریباً دس بارہ سال قبل شروع ہوا تھا 'بنیاد پرست اسلام' (MUSLIM FUNDAMENTALISM) سے ۔ چنانچہ آپ کو یاد ہوگا کہ نکسن نے یہ کہا تھا کہ ہمیں روس کو اپنا دشمن نہیں سمجھنا چاہئیے' وہ تو ہمارا ہی یورپی ملک ہے ۔ اصل خطرہ روس سے نہیں بلکہ 'مسلم فنڈامنٹلزم' سے ہے ۔ ایران کے انقلاب سے خاص طور پر یوں سمجھئے کہ ایک تہلکہ مچ گیا تھا اور واقعۃً اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک دفعہ تو یوں محسوس ہوا کہ " لڑا دے ممولے کو شہباز سے " کے سے انداز میں ایران نے سپر پاورز سے ٹکر مول لی ہے ۔ وہ لطیفہ میں نے آپ کو پہلے بھی سنایا تھا جو میں نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن مرحوم کی زبانی سُنا تھا ۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے ۔ انہوں نے مجھے بتلایا کہ خمینی صاحب کا جب امریکہ سے یرغمالیوں کے مسئلے میں جھگڑا چل رہا تھا تو ایک بار انہوں نے ایسے ہی سرسری سا ایک بیان دیا کہ امریکہ اگر توبہ کرلے تو ہم ان کے یرغمالیوں کو آزاد کردیں گے ۔ اس پر امریکی حکومت نے وہائٹ ہاؤس میں مسلمان علماء کو جمع کیا محض یہ پوچھنے کے لئے کہ 'توبہ' کیا ہوتی ہے ! ڈاکٹر فضل الرحمٰن مرحوم بھی اُن لوگوں میں شامل تھے جنہیں وہاں باقاعدہ اسی سلسلہ میں بلایا گیا تھا کہ ہمیں بتایا جائے کہ توبہ ہوتی کیا ہے اور یہ کیسے کی جاتی ہے ۔ جب انہوں نے یہ واقعہ مجھے سنایا تو میں نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ خمینی صاحب نے تو امریکہ کی توبہ کرادی ہے ___ ! آپ حضرات میں سے اکثر کے علم میں ہوگا کہ اس زمانے میں 'ٹائمز' اور 'نیوزویک' جیسے رسالوں نے اس موضوع پر بڑے بڑے ضخیم نمبر نکالے تھے کہ " THE MILITANT ISLAM ON THE MARCH " یوں معلوم ہوتا تھا کہ دنیا اسلام کی قوت سے اب تھرا رہی ہے کہ " کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے ! " انہیں شدید اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ انڈونیشیا اور ملائیشیا سے لے کر ماریطانیہ تک پھیلی ہوئی اس وسیع و عریض اسلامی دنیا میں جو ہر نوع کے بہترین وسائل بالخصوص تیل کی قوت سے مالا مال ہے، اگر " بنیاد پرست " اسلامی تحریکیں جڑ پکڑ گئیں تو یہ بقیہ دنیا کیلئے ایک عظیم خطرہ ثابت ہوں گی ۔ اور اسلام اتنی بڑی قوت بن کر ابھرے گا کہ کسی سپر پاور کے لئے اس کے سامنے ٹھہرنا ممکن نہ ہوگا ۔ آپ کو یاد ہوگا کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے لفظ بنیاد پرست (FUNDAMENTALIST) کو گالی بنا دیا تھا ۔ اور وہ اس نوع کے اسلام سے سخت خائف تھے ۔ نکسن کی بات کا حوالہ میں

پہلے دے چکا ہوں کہ اس نے اقوامِ مغرب کو متنبہ کیا تھا کہ اصل میں تو ہمیں اسلام کی قوت سے ڈرنا چاہیئے۔ روس سے ہم نے خواہ مخواہ کی دشمنی مول لے رکھی ہے ——— لیکن اب اسے آپ ہماری بدقسمتی کہیئے یا اُن کی خوش قسمتی، کہ اُنہیں جس راسخ العقیدہ اور بنیاد پرستانہ اسلام (MUSLIM FUNDAMENTALISM) سے خطرہ تھا اور جس کی لہریں ایک وقت میں چڑھی آرہی تھیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ لہریں اب واپس لوٹ رہی ہیں، اُس اسلام کا زور ٹوٹ گیا ہے، اب اس طرف سے انہیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔

گویا اہلِ مغرب کے لیے یہ دوطرفہ خوشی کا موقع ہے کہ ایک طرف ان کے اصل مدِمقابل روس کو نہ صرف فوجی دعسکری سطح پر افغانستان میں شکست ہوئی ہے بلکہ ان کا نظام 'کمیونزم' بھی اب معرضِ انقلاب میں ہے اور انہوں نے اپنے یہاں کچھ سیاسی اور کچھ معاشی آزادی کی شکل پیدا کر کے گویا مغرب کے نظام کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ اور دوسری طرف اگر انہیں کوئی خطرہ تھا تو "بنیاد پرستانہ" اسلام سے تھا، سو اس جانب سے بھی انہیں اب کوئی اندیشہ نہیں رہا۔ اس لئے کہ اس معاملے میں انہیں شدید ترین خطرہ ایرانی انقلاب سے تھا جس کے بارے میں اہلِ مغرب کو اب اطمینان ہے کہ وہ انقلاب ناکام ہو چکا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ ان سے اتفاق نہ کریں اور میں بھی اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا کہ ان کی بات کس حد تک درست ہے، لیکن وہ یہی سمجھتے ہیں کہ انقلابِ ایران کا ڈنک مارا جا چکا ہے۔ اب اس کے اندر قوتِ مقاومت باقی نہیں رہی۔ اس کی انقلابیت ختم ہو چکی ہے، اور دوسروں کے لئے وہ اب کیا خطرہ بنے گا اپنے خول میں خود کو سنبھال لے تو یہ بھی بہت ہے۔ اس کے بعد دوسرا خطرہ اُن کے لئے افغانستان سے اُبھرا تھا۔ افغانستان میں روس کے جانے کے بعد ایک بنیاد پرست اسلامی حکومت کے قیام کے جو آثار نظر آتے تھے ہماری بدقسمتی ہے کہ وہ بھی اب مدھم پڑتے جا رہے ہیں۔ اس کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں، آپ اسے مجاہدین کے آپس کے اختلافات کا شاخسانہ قرار دیں یا کوئی اور سبب اس کا متعین کریں، امرِ واقعہ یہی ہے کہ افغانستان میں ایک ٹھیٹھ اسلامی حکومت کے قیام کا 'خطرہ' اب ٹل گیا ہے۔ 'خطرہ' کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا کہ اہلِ مغرب کے نقطۂ نگاہ سے وہ ایک مہیب خطرہ تھا، لیکن اب وہ مطمئن ہیں کہ پورے افغانستان پر مجاہدین کی حکومت کا قیام خارج از امکان ہو چکا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ افغانستان کے ایک تہائی حصے پر مجاہدین کی حکومت قائم ہو جائے گی، بقیہ پورے

افغانستان میں کوئی سیکولر قسم کی حکومت ہی بنے گی۔ بہرحال انہیں اب افغانستان کی طرف سے بھی کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہے۔

اس معاملے میں تیسرا خطرہ انہیں پاکستان کی طرف سے تھا اور ہمارے اعتبار سے یہ اس داستان کا المناک ترین پہلو ہے۔ اس لیے کہ پاکستان وہ ملک ہے جس میں اسلام کا نعرہ سب سے زیادہ لگایا گیا ہے۔ آپ جائزہ لیں گے تو میری رائے سے اتفاق کریں گے کہ ۱۹۳۷ء سے جب مسلم لیگ نے ایک عوامی تحریک کی شکل اختیار کی تھی، اُس وقت سے آج تک اسلام کا نعرہ جتنا اس سرزمین میں لگا ہے اس کی شاید کوئی اور نظیر پوری اسلامی تاریخ میں نہ ہو گی۔ بلکہ اگر ہمارے پاس ناپنے اور جانچنے کا کوئی ذریعہ ہو تو میرا گمان ہے کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اسلام کا اتنا نعرہ نہیں لگا جتنا پچھلے باون برسوں میں برعظیم پاک و ہند میں لگا ہے۔ تحریک پاکستان کے وہ چند سال یاد کیجیے جب "پاکستان کا مطلب کیا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کے نعروں سے راس کماری سے درۂ خیبر تک اور چاٹگام سے لے کر مکران تک کا علاقہ گونج گیا تھا پھر پاکستان کے بننے کے بعد کچھ عرصے تک اپوزیشن کے پاس ہی اسلام کا نعرہ تھا اور پچھلے گیارہ برس میں ایوانِ مملکت سے یہی نعرہ لگتا رہا۔ چنانچہ دنیا کو یہ خیال تھا کہ یہاں سے کوئی اسلامی قوت ابھر سکتی ہے اور یہاں پر کوئی ایسا انقلاب آ سکتا ہے کہ جو اسلام کو واقعۃً ایک زندہ حقیقت بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔ لیکن جو صورتحال اب بنی ہے کہ یہاں جو حکومت قائم ہوئی وہ ایک ایسی پارٹی کی ہے کہ جو کھلم کھلا سیکولر ہے۔ اس معاملے میں حکمران جماعت کو اس حد تک کریڈٹ دیا جانا چاہیے کہ انہوں نے کوئی دھوکہ اسلام کے نام پر نہیں دیا ہے۔ اسلام کو بطور نعرہ استعمال نہیں کیا ہے۔ اب سنا ہے کہ اس میں وقت کے تقاضے کے تحت اسلام کے نام کی کچھ تھوڑی بہت آمیزش ہو رہی ہے لیکن یہ جماعت بہرحال اسلام کے نعرہ پر برسرِ اقتدار نہیں آئی۔ معلوم ہوا کہ ایک خالص سیکولر جماعت اور خالص سیکولر قیادت کی جماعت کا برسرِ اقتدار آنا اور پھر ایک آزاد خیال مغربی تہذیب میں سرتاپیر غرق خاتون کا وزیرِ اعظم بننا یہاں راسخ العقیدہ (ORTHODOX) اسلام کی شکست کے مترادف ہے۔!

امریکہ و یورپ میں محترمہ بےنظیر صاحبہ کے "بےنظیر" استقبال کا اصل سبب

دانش ورانِ مغرب کے لیے اس سے زیادہ کیف آمیز اور سرور انگیز بات کیا ہو سکتی ہے

کہ پاکستان ایسے اسلامی ملک میں بھی اُن کے نظام اور اُن کے تہذیب و تمدّن کو راسخ العقیدہ اسلام پر فتح حاصل ہوئی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ اس معاملے میں آخری درجے کی شے ہے ۔ اور درحقیقت یہ جان لیجئے کہ امریکہ میں محترمہ بے نظیر صاحبہ کا بے نظیر استقبال ہوا ہے اس کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ محترمہ بے نظیر صاحبہ کا شاندار استقبال کر کے دراصل انہوں نے اپنی فتح کا جشن منایا ہے ۔ وہ اس نشے میں سرشار ہیں کہ ہماری تہذیب کی بالادستی ثابت ہوگئی ہے، ہمارے نظریات کی بالادستی ثابت ہوگئی ہے اور ہمارے تمدّن کی بالادستی ثابت ہوگئی کہ پاکستان کے اندر بھی مذہب کا راگ الاپنے والوں اور مذہب کے لئے بڑا جوش و خروش دکھانے والوں کو شکست فاش ہوگئی اور وہ ایک جماعت برسرِ اقتدار آئی ہے کہ جس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے ۔ وہ ملک کی بہبود و ترقی چاہتی ہو یہ دوسری بات ہے، لیکن یہ طے ہے کہ وہ اسلام کے نعرے یا اسلام سے وابستگی کی بنیاد پر برسرِ اقتدار نہیں آئی ۔ تو یہ ہیں وہ معاملات جن پر اہلِ مغرب فرحاں و شاداں ہیں اور اس حقیقت کا مشاہدہ مجھے یورپ اور امریکہ کے حالیہ سفر میں ہوا ۔ میرے مشاہدے کا ایک پہلو اور بھی ہے جس پر میں بعد میں گفتگو کروں گا ۔

میں آج سوچ رہا تھا تو مجھے ایک عجیب احساس ہوا کہ قرآن مجید کے بارے میں حضورؐ کی جو حدیث ہے " فیہ خبر ما قبلکم و نبأ ما بعدکم " کہ اس میں تم سے پہلوں کی خبریں بھی موجود ہیں اور تم سے بعد میں آنے والوں کے حالات بھی ہیں ۔ میرا یہ عجیب تجربہ ہے کہ جب بھی کبھی میں دنیا کے موجودہ مسائل کے بارے میں غور و فکر کرتا ہوں تو فورًا جا کر ذہن اٹک جاتا ہے قرآن مجید کے کسی مقام پر ۔ اور الحمدللہ کہ مجھے اپنے موضوع کی مناسبت سے آیات کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ۔ چنانچہ آج جب میں سوچ رہا تھا تو دو مقامات اچانک میرے ذہن میں آئے ۔ ایک تو سورۂ طٰہٰ کا وہ مقام جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصّے میں فرعون اور اس کے درباریوں کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح جادوگروں کو حضرت موسیٰؑ سے مقابلے پر آمادہ کرتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ جادوگروں میں کچھ ہچکچاہٹ تھی جسے دور کرنے کے لئے انہیں قائل کیا جا رہا تھا ۔ وہاں یہ الفاظ آتے ہیں کہ: قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى o کہ گھبراؤ نہیں ! یہ دو جادوگر ہی تو ہیں (یعنی موسیٰؑ اور ہارونؑ) جو چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال باہر کریں اپنے جادو کے زور سے ۔ اور چاہتے ہیں کہ تمہارے

اعلیٰ تمدّن کو درہم برہم کرکے رکھ دیں۔ گویا اپنی اعلیٰ تہذیب اور اپنے عظیم نظام کے واسطے سے انہوں نے جادوگروں کو آمادۂ پیکار کیا کہ ایسا نہ ہو کہ تمہارا نظام اور تمدّن برباد ہو جائے تو واقعہ یہ ہے کہ اہلِ مغرب اپنے تہذیب و تمدّن کے لئے "اسلامک فنڈامنٹلزم" کو ایک شدید خطرہ سمجھتے تھے۔ ضیاء مرحوم کے دور میں جب خواتین اور پردے کے موضوع پر میرے بیانات پر اخبارات میں ایک ہنگامہ بپا تھا اور میرا معاملہ متنازعہ بنا دیا گیا تھا، اُن دنوں متعدد امریکی اخبارات کے نمائندے بھی میرے پاس آئے تھے بات کو سمجھنے کی غرض سے۔ بعض نے ان دنوں میرے انٹرویو بھی شائع کئے۔ انہی میں سے ایک نمائندے نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ آپ اپنے بارے میں یہ پسند کریں گے کہ آپ کو "FUNDAMENTALIST" (بنیاد پرست) کہا جائے۔ میں نے برملا انداز میں کہا کہ یقیناً! کیوں نہیں! میں اس معنی میں بنیاد پرست ہوں کہ اسلام کی بنیادوں کو مضبوطی سے تھامنے کا سختی سے قائل ہوں۔ بنیادوں کو اگر ہم نے چھوڑ دیا تو ہماری حیثیت ہی کیا رہ جائے گی۔ یہ بنیاد پرستانہ اسلام تو یوں سمجھئے کہ اُن کے لئے ایک بہت ہی ڈراؤنا خواب بنا ہوا تھا۔ انہیں اندیشہ تھا کہ ان کی تہذیب و تمدّن، اُن کا کلچر، اُن کی مادر پدر آزادیاں سب کی سب ختم ہو کر رہ جائیں گی۔

فرعون کے گھر میں موسیٰ کی پرورش

لیکن اب میں آپ کے سامنے اپنے مشاہدہ کا دوسرا پہلو رکھ رہا ہوں اور اسی کے لئے میں نے سورۃ القصص کی ابتدائی آیات آپ کو سنائی ہیں کہ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ دورِ جدید کی فرعونیت اور خاص طور پر اس کا جوشنہ امریکہ و یورپ کے دانشوروں کے طبقے میں نظر آتا ہے، اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنّت رہی ہے کہ وہ فرعون کے دشمن کو فرعون کے گھر میں پلواتا ہے۔ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے گھر میں پرورش کروایا اور جس خطرے کے پیشِ نظر فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کروا رہا تھا اس کی پرورش خود فرعون کے گھر میں ہوئی۔ سورۃ القصص کی ابتدائی آیات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ طٰسٓمٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (اے محمدؐ!) ہم آپؐ پر تلاوت کر رہے ہیں۔ موسیٰ اور فرعون کی سرگذشت حق کے ساتھ (بالکل صحیح صحیح اور درست) ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے والے ہیں (کہ اس میں اُن کے لئے درسِ عبرت بھی ہے اور سبق بھی)

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ ۔ بے شک فرعون نے بڑی سرکشی کی زمین میں (اور دورِ حاضر میں اس سرکشی کا سب سے بڑا مظہر دیکھنا ہو تو وہ امریکہ ہے جس کی نگاہوں کے سامنے ایک طرف اس کا قدیمی حریف روس نہ صرف یہ کہ شکست وریخت سے دوچار ہے بلکہ کئی اعتبارات سے فی الواقع گھٹنے ٹیک چکا ہے اور دوسری طرف "مسلم فنڈامنٹلزم" کا خطرہ بھی وقتی طور پر ٹل چکا ہے تو اس کی خوشی اور سرمستی تو دیدنی ہے)۔ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا ۔ اور اس (فرعون) نے اہلِ زمین کو طبقات میں تقسیم کر دیا تھا۔ يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ ۔ اُن میں سے ایک گروہ کو اس نے دبالیا تھا۔ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۔ اُن کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا تھا اور اُن کی بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۔ یقیناً وہ مفسدوں میں سے تھا۔ وَنُرِيدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ ۔ اور ہمارا ارادہ ہوا کہ ہم فضل فرمائیں اُن لوگوں پر جنہیں دبالیا گیا تھا زمین میں۔ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً اور انہی کو ہم امام بنا دیں۔ وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۔ اور انہی کو ہم زمین کا وارث بنا دیں۔ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ اور ان کو زمین میں تمکن عطا فرمائیں۔ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ اور ہم نے ارادہ کیا کہ فرعون کو اور ہامان کو اور ان دونوں کے لشکروں کو وہ سب کچھ دکھا دیں جس سے وہ اندیشہ محسوس کر رہے تھے (گویا وہ خطرہ بچشم سر ان کے سامنے لے آئیں جس سے وہ خائف تھے)

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہی کیفیت اب امریکہ میں پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن ہے ابھی حجاب میں کہ اُن کے باطل نظام کا دشمن انہی کے گھر میں پروان چڑھ رہا ہے۔

امریکہ میں لاکھوں مسلمان آباد ہیں۔ اکثر کو وہاں کی شہریت مل چکی ہے۔ ان میں بلادِ عرب کے امیگرنٹس بھی ہیں اور پاکستان ہندوستان سے جا کر آباد ہونے والے مسلمان بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ مختلف ناموں سے وہاں مسلمانوں کی دینی تحریکیں پہلے بھی چل رہی تھیں اور اس سے پہلے بھی جب میرا امریکہ جانا ہوا میں ان کا مشاہدہ کرتا رہا ہوں۔ لیکن اس بار میں نے ایک نمایاں فرق وہاں محسوس کیا ہے۔ میرے ساتھی جانتے ہیں کہ میں اکثر و بیشتر امریکہ سے بہت بددل واپس آتا تھا۔ یہاں لوگ مجھے کہتے تھے کہ وہاں اسلام کا بڑا کام ہو رہا ہے اسلام کی تبلیغ ہو رہی ہے اور اسلام پھیل رہا ہے اور میں کہا کرتا تھا کہ یہ سب خوش فہمیاں ہیں، کوئی وہاں کام نہیں ہو رہا ہے اس لئے کہ میں نے جو کچھ وہاں ہوتے دیکھا اسے میں ایک مدافعانہ کوشش (DEFENSIVE MECHANISM) قرار دیتا تھا کہ دراصل وہ مسلمان جو اوّلاً تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے امریکہ گئے تھے لیکن اپنے

خوشنما مستقبل کو دیکھتے ہوئے وہیں آباد ہوگئے۔ انہیں چونکہ اپنی نئی نسل کے بارے میں خطرہ لاحق ہے کہ وہ اپنی تہذیب و تمدّن کو فراموش نہ کر بیٹھیں اور اسلامی روایات کو بھلا کر کہیں مغرب کے رنگ میں رنگے نہ جائیں لہٰذا وہ اپنی نئی نسل کو دینی تعلیم دینے اور اسلامی تہذیب و تمدّن سے انہیں روشناس کرانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، ویک اینڈ پر کمیونٹی سنٹرز میں تعلیم قرآن کے پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں، گرمیوں کی چھٹیوں میں اسلامک سمر کیمپ لگا کر وہ نوجوانوں کو دین کی تعلیمات دینے کا سامان کرتے ہیں۔ اُن لوگوں کو سب سے بڑا خطرہ اس بات سے ہے کہ وہاں کا نظامِ تعلیم، وہاں کے اسکول و کالج، وہاں کی یونیورسٹیاں، وہاں کی تہذیب، خاص طور پر جنسی آوارگی اور بے راہ روی ہماری آئندہ نسلوں کو بہا کر لے جائے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ بڑے بڑے کام اس خوف کے جذبے (FEAR COMPLEX) کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ بُرا نہ مانیں اگر ایک بات کہوں کہ پاکستان کے بننے میں بھی اس FEAR COMPLEX کو دخل تھا۔ ایک قوم کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ دوسری قوم اُسے دبا لے گی اور اس کے تشخص کو ختم کر دے گی۔ معاشی سطح پر، تہذیبی سطح پر اور تمدّن کی سطح پر ہمیں ہندو سے خطرہ تھا کہ وہ ہمارا استحصال ہی نہیں کرے گا بلکہ ہمارے تشخص کو بھی مٹا دے گا۔ یہ خطرہ تھا کہ جس نے لوگوں کو مسلم لیگ کی طرف متوجہ کیا اور انہوں نے اس کی صدا پر لبیک کہا۔ اسی نوعیت کا ایک خطرہ امریکہ جانے والے لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ ٹھیک ہے کہ ہمیں کھانے کو اچھا مل رہا ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ پاکستان سے جانے والے افراد بالخصوص ڈاکٹر حضرات وہاں بہت آسودہ حال ہیں، اور امریکی معاشرے میں ہمیں بڑا باعزت مقام حاصل ہے لیکن ہماری اگلی نسل کا کیا بنے گا۔ یہ اندیشہ تھا جس نے انہیں آمادہ عمل کیا۔ انہوں نے وہاں کمیونٹی سنٹر بنائے، اسلامک سنٹر قائم کئے، ہفتہ وار چھٹی کے دو دن یعنی ہفتہ اور اتوار کو وہ اپنے بچوں کو اسلامک سنٹرز میں لے جاتے ہیں، وہاں انہیں نماز پڑھنا اور قرآن پڑھنا سکھاتے ہیں تاکہ دین و مذہب سے ایک تعلق قائم رہے اور اُن کا اسلامی تشخص برقرار رہ سکے۔ تو اب تک جو کام میں نے وہاں دیکھا وہ اسی نوعیت کا تھا۔ اس میں دین کی دعوت اور تبلیغ کا کوئی مسئلہ نہیں تھا بلکہ جیسے مسلم لیگ کی تحریک ایک قومی تحریک تھی وہ کوئی دینی اور دعوتی و تبلیغی تحریک نہیں تھی، اسلام کی سربلندی اور غلبہ و اقامتِ دین کا کام اس کے پیشِ نظر نہیں تھا بلکہ مسلمان قوم کے مفادات کا تحفظ اور مسلمانوں کی خیر خواہی پیشِ نظر تھی، اسی طرح امریکہ میں اب تک اسلام کے حوالے سے جو کام ہو رہا تھا وہ میرے مشاہدے کی حد تک اسی نوع کا تھا۔ جبکہ میرا مزاج

آپ کو معلوم ہے کہ دعوتی ہی نہیں انقلابی ہے ۔ اور اس نوع کی کوئی حرکت (ACTIVITY) مجھے وہاں نظر نہیں آتی تھی ۔

میرے اپنے ساتھی بھی جو اگرچہ بیعت کر کے تنظیم میں بھی شامل ہو گئے تھے لیکن بالفعل اسی نوع کے کاموں میں مصروف رہتے تھے جسے میں کمیونٹی ورک سے تعبیر کرتا ہوں ۔ دعوتی و تحریکی انداز کی کوئی پیش رفت چونکہ مجھے نظر نہیں آتی تھی، لہٰذا میں سخت بد دل تھا ۔ چنانچہ امریکہ جاتے ہوئے دوران سفر میں نے اپنے رفیق کار قمر سعید قریشی صاحب سے اپنے دل کی یہ بات کہہ دی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ اس بار میں امریکہ جا کر اپنے دوستوں سے آخری لڑائی لڑ کر آؤں گا جو ہر سال بڑے اصرار سے مجھے بلاتے ہیں اور امید واثق ہے کہ میں یہ طے کر کے آؤں گا کہ آئندہ کبھی امریکہ کا رُخ نہیں کروں گا ۔ اس لیئے کہ وہ دعوتی و تحریکی نہج پر کوئی پیش رفت تو کرتے ہی نہیں ۔

ایک خوشگوار تبدیلی : دعوتی و تحریکی کام کی طرف پیش رفت

لیکن اس مرتبہ وہاں ایک بالکل نئی صورت حال میرے سامنے آئی ۔ حالات میں واضح تبدیلی میں نے محسوس کی ۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ اب دو اعتبارات سے وہاں کے مسلمان گویا پیش قدمی کے انداز میں سوچ رہے ہیں اور غور کر رہے ہیں ۔ میں نے نوٹ کیا کہ اُن کا ذہن اب دو لائنوں پر پیش رفت کے بارے میں سنجیدگی سے کام کر رہا ہے ۔ ایک لائن تو ان کی وہ ہے جس سے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے ۔ اپنے ملک میں اس کوچے سے دلچسپی نہیں ہے تو باہر کیا ہو گی وہ لائن ہے عملی سیاست کی لائن ۔ ان کا احساس یہ ہے کہ اب جبکہ یہاں امریکہ میں ہماری آبادی آٹھ ملین یعنی ۸۰ لاکھ تک پہنچ چکی ہے، واضح رہے کہ امریکہ کی کل آبادی ۲۵ کروڑ سے زائد نہیں، تو اب ہم یہاں کی سیاست پر مؤثر طور پر اثر انداز ہو سکتے ہیں ۔ اس ۸۰ لاکھ کی تعداد میں سیاہ فام امریکیوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہے جو بقیہ مسلمانوں سے الگ تھلگ رہ کر کام کرتے ہیں ۔ ان کی آرگنائزیشن بہت مضبوط ہے ۔ امیگرنٹس کے ساتھ ان لوگوں کا کوئی رابطہ نہیں ہے ۔ بعض احباب کے توسط سے مجھے اس بار بھی، الحمد للہ، شکاگو میں اُن کے مرکز سٹوڈنی آئی لینڈ میں جا کر اُن سے خطاب کا موقع ملا اور چند سال قبل بھی موقع ملا تھا ۔ چنانچہ قرآن کا انقلابی فکر اُن تک پہنچانے کی کوشش کی ہے ۔ اُن کے موجودہ سربراہ وارث دین محمد سے بھی ملاقات ہوئی ۔ وہ ایک صحیح العقیدہ سچا مسلمان آدمی ہے اور بڑی محنت سے سیاہ فام مسلمانوں

کو آرگنائز کر رہا ہے۔ بہر کیف وہاں کے مسلمانوں میں یہ احساس ترقی پا رہا ہے کہ امریکہ میں اب یہودیوں کے مقابلے میں مسلمان تعداد میں زیادہ ہیں۔ یہودیوں کی کل تعداد بمشکل ساڑھے تین ملین یعنی ۳۵ لاکھ بنتی ہے۔ اس کے باوجود سیاسی اعتبار سے یہودی وہاں چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ یہودیوں کے تسلط کے اسباب کا اس سے قبل کسی موقع پر میں تفصیلاً ذکر کر چکا ہوں۔ ایک اہم سبب تو یہ ہے کہ انہوں نے بڑی عیاری سے سودی نظام اس ملک میں اس طریقے سے پھیلایا ہے کہ امریکیوں کو سود میں جکڑ لیا ہے اور وہ وہاں کے معاشی نظام پر پورے طور پر حاوی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ذرائع ابلاغ کی اہمیت سے یہودی خوب واقف ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مؤثر منصوبہ بندی کے ذریعے پریس اور ٹیلیویژن پر اپنا تسلط جما لیا ہے۔ اور جیسا کہ میں آپ کو پہلے بتلا چکا ہوں کہ عام امریکی تو گرد و پیش کی دنیا سے اتنا بے خبر ہے کہ اسے غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ وہ پانچ دن حیوانوں کی طرح کام کرتا ہے اور دو دن وحشیوں کی طرح عیش کرتا ہے۔ لہٰذا یہودیوں کی پالیسی وہاں بہت کامیاب ہے کہ ذرائع ابلاغ کو کنٹرول کر کے رائے عامہ کو بڑی آسانی سے اپنے حق میں اور اپنے مخالفوں کے خلاف ہموار کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہودی، جن کے بارے میں علّامہ اقبال نے پون صدی قبل اپنے عمیق مشاہدے کی بنیاد پر یہ بات کہی تھی کہ "فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے" اب امریکہ پر بھی اُسی طرح حاوی اور مسلّط ہیں جیسے کبھی یورپ پر اُن کا تسلط تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ جب ہٹلر کو یہ اندازہ ہوا کہ یہودی ہمیں اپنے مکر و فریب میں مبتلا کئے ہوئے ہیں تو اس نے پھر اُن سے انتقام بھی ایسا لیا کہ تاریخ میں شاید اس کی کوئی مثال پیش نہ کی جا سکے۔

بہرحال امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں میں اب یہ احساس شدت پکڑتا نظر آتا ہے کہ اگر ہم بھی متحد ہو جائیں اور اپنی قوت کو مجتمع کر سکیں تو ہم وہاں اپنی سیاسی حیثیت کو منوا سکتے ہیں اور امریکہ کی پالیسیوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ یہ اپنی جگہ کرنے کا کام ہے لیکن مجھے اس سے خاص دلچسپی نہیں ہے اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ ابھی اس کا کوئی امکان ہے!

لیکن ایک دوسرا احساس ان میں پیدا ہوا ہے اور وہ میرے نقطۂ نگاہ سے بڑا قیمتی ہے۔ میں نے اسی حوالے سے یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے گھر میں حضرت موسیٰ کی پرورش کروائی تھی اسی طرح دین کی دعوت کے لئے وہ کوئی بہت بڑا کام اس سرزمین میں ان لوگوں سے لے لے کہ جو اب اس نہج پر سوچ رہے ہیں۔

ہمارے ہندوستان اور پاکستان سے جو لوگ کبھی طالب علم کی حیثیت سے امریکہ گئے تھے تو انہوں نے وہاں مختلف یونیورسٹیوں میں اپنے چھوٹے چھوٹے مرکز بنا لئے۔ مثلاً اپنا تشخص قائم کرنے کے لئے یونیورسٹی میں کوئی کمرہ لے لیا اور اس میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔ پھر انہوں نے آل امریکہ سطح پر اپنی ایک تنظیم مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (M.S.A) آف نارتھ امریکہ قائم کی۔ اس تنظیم کے کنونشن ہوتے اور وہ ان میں جمع ہوتے۔ اس طرح وہ بڑے اچھے طریقے پر آگے بڑھ رہے تھے۔ وہی لوگ اب وہاں پر پروفیشنل ہیں۔ اب وہ بڑے بڑے ڈاکٹرز اور انجینئرز کی حیثیت سے پروفیشن کے اندر ہیں۔ اب انہوں نے M.S.A سے آگے بڑھ کر ایک تنظیم اِسنا (ISNA) بنائی ہے یعنی اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ، جس کا ایک بہت بڑا مرکز ہے اور اس کی شاخیں تمام شہروں میں قائم ہیں۔ اس کا ایک سالانہ کنونشن ہوتا ہے۔ اس کی ذیلی تنظیموں میں اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (I.M.A) آف نارتھ امریکہ ہے۔ اس کے ساتھ ایسے تمام مسلمان ڈاکٹرز منسلک ہیں جن کو اسلام سے دلچسپی ہے۔ پاکستانی ڈاکٹرز کی ایک علیحدہ تنظیم بھی ہے۔ اس کے اندر پہلے سیکولر عنصر کافی غالب تھا۔ چنانچہ جب ان کی کنونشن ہوتی تھی تو اس میں رقص و سرود کا حصہ بھی ہوتا تھا لیکن اب صورت حال تبدیل ہوئی ہے۔

اس مرتبہ میں نے 'اِسنا' کی کنونشن اٹینڈ کی، I.M.A کی کنونشن کچھ عرصہ قبل ہوئی تھی، اس کے حالات بھی معلوم ہوئے۔ پھر یہ جو پاکستانی ڈاکٹرز کی علیحدہ آرگنائزیشن ہے اس کے بعض عہدیداروں سے ملاقات ہوئی تو میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ یہ تمام تنظیمیں اب دعوتی سطح پر فعال ہو رہی ہیں۔ جیسے میں مدارج (PHASES) بیان کیا کرتا ہوں اسلام کے احیائی عمل کے کہ جس کا آغاز اس صدی کے وسط سے ہو چکا ہے۔ اس احیائی عمل کا پہلا درجہ آزادی کی تحریکوں پر مشتمل تھا اور دوسرے PHASE میں احیائی تحریکیں اُبھر کر سامنے آئیں۔ اسی طرح ان کا کہنا تھا کہ ہم نے مسلم کمیونٹی کو منظم کر کے پہلا PHASE مکمل کر لیا ہے۔ ہم نے ہر بڑے شہر میں اسلامک سنٹر بنا لیے ہیں، ہر جگہ اپنے اسکول کھول لئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اب تو بعض جگہ مسلمان پورے پورے سکول چلا رہے ہیں، لیکن اکثر جگہوں پر ہفتہ اور اتوار کی کلاسز چل رہی ہیں۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں یوتھ کیمپ منعقد ہوتے ہیں جن میں مسلمان طلبہ کی تربیت ہوتی ہے۔ یہ کام تو وہ پہلے سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ اب انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم کو اب آگے بڑھنا ہے اور اسلام کی دعوت پہنچانی ہے۔

اس مرتبہ جب میں گیا تو میرے پروگرام میں 'اِسنا' کنونشن میں شرکت نہیں تھی اور نہ ہی

مجھے یہ علم تھا کہ وہ ہونے والی ہے۔ مجھے تو ۵ ستمبر کو وہاں سے روانہ ہو جانا تھا۔ لیکن وہاں مجھے معلوم ہوا کہ کنونشن ہو رہی اور اس کے منتظمین کا شدید اصرار ہے کہ میں اس میں شرکت کروں۔ اگرچہ اس سے پہلے ایک مرتبہ میں ان کے کنونشن میں گیا تھا تو میں نے وہاں کے جو حالات دیکھے تھے اس سے بد دل ہوا تھا۔ یہ پانچ چھ سال قبل کی بات ہے۔ کنونشن میں شریک خواتین میں بے پردگی بہت زیادہ تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ شاید وہ کسی فینسی ڈریس شو میں شرکت کے لئے آئی ہوئی ہیں۔ ان میں اسلام کا کم از کم کوئی اثر نظر نہیں آ رہا تھا اور جیسے کہ میں نے عرض کیا وہاں پر صرف کیمونٹی آرگنائزیشن کی باتیں ہو رہی تھیں کہ جس سے مجھے مزاجی طور پر کوئی مناسبت نہیں تھی۔ لیکن اس مرتبہ جب وہاں گیا ہوں تو میں نے ایک بہت بڑی تبدیلی محسوس کی ہے۔ اس مرتبہ خواتین کا رنگ بالکل بدلا ہوا تھا۔ خواتین وہاں کثیر تعداد میں تھیں، مگر ان کی نشستیں علیحدہ تھیں۔ وہ اگرچہ برقعوں میں نہیں تھیں لیکن بہت ساتر اور سادہ لباس میں ملبوس تھیں۔ نمازوں میں بھی شریک ہوئیں تو بہت پیچھے ہوتی تھیں۔ یہ تبدیلی میرے نزدیک بہت ہی خوش آئند ہے۔ اس دفعہ 'اِسنا' کنونشن کا مین تھیم یہ تھا "PREACHING OUT WITH ISLAM" یعنی اب ہمیں اسلام کو لے کر باہر نکلنا ہے۔ اب ہمیں محض اپنے تحفظ سے آگے نکل کر اس معاشرے میں نظریاتی طور اپنے دین کی دعوت و تبلیغ کا کام کرنا ہے۔ اس ضمن میں کیا کچھ ہونا چاہیئے اور کیسے ہونا چاہیئے۔ اس پر غور و فکر اب ان کنونشنوں میں ہوتا ہے۔

اس بار 'اِسنا' کنونشن میں میری بھی تین چھوٹی چھوٹی تقریریں ہوئیں۔ الحمدللہ میری باتوں کو لوگوں نے بہت ہی عمدگی سے قبول کیا ہے، بات سمجھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پورے امریکہ کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں ہمارے درسِ قرآن اور دورۂ ترجمۂ قرآن کے کیسٹس بہت بڑے پیمانے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اور لوگوں کے ذہنوں پر اس کا اثر ہے۔ ان کے فکر اور سوچ پر ہمارے فکرِ قرآنی کے اثرات بے پناہ ہیں۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ معلوم ہوتا تھا ہر شخص مجھ سے واقف ہے۔ بلکہ بعض وہ حلقے جو میرے مخالف ہیں، ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کے پاس بھی میرے کیسٹس سینکڑوں کی تعداد میں ہیں جنہیں وہ سنتے ہیں اور ان سے اپنی تقریروں کے لئے مواد بھی اخذ کرتے ہیں۔

امید کی کرن

یہ سب مشاہدات جو مجھے اس مرتبہ وہاں ہوئے ہیں ان کی روشنی میں میرا ایک احساس

جو میں پہلے بھی آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں مزید گہرا ہو گیا ہے کہ کوئی عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت دنیا میں موجود تمام مسلمان قوموں کو رد کر دے اور کسی بالکل نئی قوم کے ہاتھ میں اپنے دین کا جھنڈا تھما دے!

ہماری تاریخ میں ایک مرتبہ پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے کہ اللہ نے ہمیں تاتاریوں کے ہاتھوں پٹوایا، ہلاکو اور چنگیز کے ہاتھوں عالمِ اسلام کا بہت بڑا علاقہ تہس نہس ہو گیا۔ افغانستان و ترکستان اور ایران مکمل طور پر اور عراق کا اکثر و بیشتر حصہ ان کے قدموں تلے پامال ہوا اور انہوں نے کروڑوں مسلمان تہِ تیغ کیے ــــ لیکن اس کے بعد کہ انہوں نے مسلمانوں کو فتح کیا، اسلام نے انہیں فتح کر لیا اور پھر ان کو اپنا علَم بردار بنایا۔ انہی کی چار شاخیں ہیں جن کی چار عظیم حکومتیں قائم ہوئیں۔ ترکانِ تیموری ہندوستان میں اور ترکانِ صفوی ایران میں آ گئے، ترکانِ سلجوقی کی حکومت مڈل ایسٹ میں قائم ہو گئی اور ترکی اور مشرقی یورپ ترکانِ عثمانی کے زیرنگیں آ گیا۔ اب بھی اللہ تعالیٰ سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کہیں اور سے یہ تحریک اٹھا دے اور کسی اور کو یہ جھنڈا تھما دے، اس لئے کہ ہم تو گویا کرکٹ کی مانند ہو چکے ہیں جسے اٹھا کر پھینک دیا جاتا ہے یا جلا دیا جاتا ہے۔ جہاں بھی ہم دیکھتے ہیں اخلاقی پستی کی انتہا ہے۔ اسلامی اخلاق تو بہت دور کی بات ہے ہم تو بنیادی انسانی اخلاقیات سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ ہماری پستی کا یہ عالم ہے کہ ہم ادویات تک میں ملاوٹ کرتے ہیں۔

ہمارے وہ بھائی بند جو ترکِ وطن کر کے وہاں گئے ہیں وہ وہاں سنہری زنجیروں میں جکڑے گئے ہیں۔ یہ ہمارا بہترین اثاثہ ہیں جنہیں چچا سام نے ایسا جکڑا ہے کہ وہ وہیں کے ہو رہے ہیں۔ ایک آئی سپیشلسٹ ڈاکٹر صاحب جو اب اللہ کے فضل سے واپس آ گئے ہیں ان سے میری پہلی ملاقات ۱۹۷۸ء میں بالٹی مور میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد کئی سال تک وہ ہر ملاقات میں یہ کہتے تھے کہ میں پاکستان جانے والا ہوں۔ ایک دفعہ میں نے ذرا تلخ انداز میں کہا کہ یہ کیا تماشہ ہے کہ جب بھی میں آتا ہوں تو آپ کہتے ہیں کہ میں پاکستان جانے والا ہوں اور پھر وہیں کے وہیں جمے بیٹھے ہیں۔ اس پر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگے، ڈاکٹر صاحب! صاف بات یہ ہے کہ یہاں جو کالے امریکی ہیں ان کے آباء و اجداد کو تو یہ لوگ لوہے کی زنجیروں میں باندھ کر لاتے تھے اور ان کو غلام بنایا تھا۔ اور ہمیں انہوں نے یہاں پر سونے کی زنجیروں میں باندھ دیا ہے، جائیں تو کیسے جائیں! یہاں کی آمدنیاں، یہاں کا معیارِ زندگی، یہاں کی سہولتیں وغیرہ۔ اس سب کو چھوڑ کر جائیں تو کیسے جائیں، جبکہ وہاں پر کوئی

جگہ نظر نہیں آتی ۔ وہاں پر قدم قدم پر رشوت ہے، سفارش ہے ۔ کوئی عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں جذبہ پیدا کر دے کہ وہ یہاں آئیں اور میں انہیں ہمیشہ یہ دعوت دیتا ہوں کہ آپ کی سرزمین کا آپ پر حق ہے ، اس نے آپ کو پالا پوسا ، وہاں سے آپ نے تعلیم حاصل کی اور یہ درحقیقت بڑی بے غیرتی کی بات ہے کہ اس کا حق ادا نہ کریں اور اپنی بہترین صلاحیتوں سے اپنے معاشرے کو فائدہ نہ پہنچائیں ۔آپ کو واپس جانا چاہئے ، اس سرزمین کا احسان ہے آپ پر ۔ باقی رہ گئیں خرابیاں تو وہ خرابیاں کون دور کرے گا ۔ ! اگر آپ یہاں بیٹھے رہے تو فرشتے تو آسمان سے اتر کر خرابیاں دور نہیں کریں گے ۔ یہ ممالک جن میں آپ آباد ہو گئے ہیں کبھی یہ بھی بہت خراب تھے ۔ چارلس ڈیکال کے زمانے کے انگلستان میں ان میں سے کون سی خرابی ہے جو موجود نہیں تھی جو اس وقت ہمارے معاشرے میں ہیں لیکن ان قوموں نے محنت ، جدّ وجہد اور کوششیں کی ہیں اور اپنے اپنے معاشرے کی اصلاح کی ہے ۔ اللہ کرے کہ یہ حضرات نئے جوش و جذبے کے ساتھ اپنے ملک میں آئیں اور اپنے معاشرے کی اصلاح کے ضمن میں اپنی ذمّہ داریاں ادا کریں ۔ اور یہ بھی کوئی عجب نہیں کہ وہاں ان کی دعوت پروان چڑھے اور اللہ تعالےٰ وہاں کے لوگوں کو اپنے دین کے لئے قبول کرلے ۔ یہ زمین تو ساری اللہ کی ہے ۔ جیسے حضورؐ نے فرمایا : میرے لئے تو کُل زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے ـــــ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰه اور اسی زمین پہ رہنے والے سب اس کے بندے ہیں بلکہ الخلقُ عیالُ اللّٰه ۔پوری کی پوری مخلوق اللہ کے کنبے کی مانند ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور ملک کے لوگوں کو اس کی توفیق عطا فرما دے ۔

کام کس نہج پر کیا جائے ؟ لائحہ عمل کیا ہو ؟

"اِسنا" کنونشن میں میں نے جو دو مشورے دیے ان میں سے پہلا مشورہ یہ تھا کہ اس وقت تک جو دعوتی کام ہو رہا ہے اس میں ایک کمی یہ ہے کہ ہمارا سارا زور اسلام پہ ہے ، ایمان پہ نہیں ہے ۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو مسلمان ہے اس میں ایمان تو ہے ـــــ حالانکہ حقیقت میں یہی مغالطہ ہے ۔ یہ ہمارا ایک موروثی عقیدہ ہے جس کا ہمارے اصل فکر و نظریات سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اِلّا ماشاء اللہ افراد ہیں جو اپنے یقین کا عملی پیکر بھی ہیں لیکن وہ "قلیلٌ ما ھم" کے مصداق نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ دلوں کو ٹٹولیں تو پتہ چلتا ہے کہ ایمان سے خالی ہیں ،

یقین کی طاقت سے محروم ہیں جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا ۔

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری!

سورۃ النساء میں ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ یقین والا ایمان حاصل کرو۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۔ "اے ایمان والو' ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر بھی جو اس نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمائی اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے نازل فرمائی ۔!

ایمان کی طرف توجہ کے ساتھ ساتھ اس طرف توجہ بھی ضروری ہے کہ آپ جس قوم اور جس معاشرے کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں اسے ایمان کی دعوت وعظ کے ذریعہ سے نہیں پہنچائی جا سکتی ۔ وعظ اور CERMON تو مسلمان کے لئے مفید ہو سکتا ہے ۔ وہاں تو آپ کو ان کے INTEL-LECTUALS کے لیول پر دعوت پیش کرنی ہوگی ۔ اگر یہ کام کر سکے تو وہ بات ہو سکے گی' ورنہ نہیں ۔ اور اس کی ضرورت کا احساس تھا علامہ اقبال کو' چنانچہ انہوں نے اپنے خطبات کا نام "RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM" قرار دیا ہے ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وقت کی اعلیٰ علمی سطح پر' دور حاضر کے INTELLECTUAL LEVEL پر اسلام اور ایمان کو ایک مربوط شکل میں ایک مضبوط فکر کے طور پر پیش کیا جائے ۔ ایک ایسا مضبوط فکر جو سائنس سے علیحدہ نہ ہو' بلکہ سائنس کے مختلف شعبوں میں معلومات کا جو خزینہ انسان نے حاصل کیا ہے ان کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہو ۔ جب تک یہ کام نہیں ہوگا' آپ اپنا فکر ان لوگوں میں نہیں پھیلا سکتے ! الحمدللہ کہ انہوں نے اس مشورہ کو قبول کیا اور اس سیشن کو جو لوگ کنڈکٹ کر رہے تھے انہوں نے میری گفتگو کے اس حصہ کو تقریباً دوبارہ دہرایا ۔ ایک ایک بات کے ساتھ کہتے تھے کہ یہ بات بہت درست ہے ۔

دوسری بات میں نے یہ کہی کہ آپ کی یہ دعوت "REVOLUTION ORIENTED" ہونی چاہئیے ! اس پر وہ چونکے ۔ میں نے کہا کہ آپ نوعِ انسانی کی اصل ضرورت کا احساس کریں ۔ ایمان جس شے کا نام ہے وہ زیادہ لوگوں کی ضرورت کی شے نہیں ہوتی ۔ وہ تو صرف ان مسائل پر غور و خوض کرنے والے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے کہ میں کون ہوں ؟ یہ کائنات کیا ہے ؟ زندگی

کیا ہے! خیر کیا ہے شر کیا ہے! ــــ تو جو لوگ ان سوالات کی جستجو میں ہوں، ان کے سامنے جب ایمان کی دعوت آئے گی تو وہ دیکھیں گے کہ یہ ہے حقیقت، یہ ہے صحیح بات، یہ ہے میرے دل کی پکار، میری فطرت کی گواہی ہے کہ یہ بات درست ہے۔ لیکن عام نوعِ انسانی کو بحیثیت مجموعی ایک نظامِ عدل درکار ہے ــــ سماجی عدل و انصاف پر مبنی ایک ایسا نظام جس میں سیاسی جبر نہ ہو، جس میں معاشی استحصال نہ ہو، جس میں سماجی اونچ نیچ نہ ہو، جس میں انسان کو وہ انسانی عزت و تکریم ملے جس کا وہ مستحق ہے، جس میں انسان، انسان کا غلام نہ ہو، جس میں کفالتِ عامہ ریاست کی ذمہ داری ہو، جس میں طبقاتی تقسیم نہ ہو، دولت مند اور فقراء طبقات وجود میں نہ آجائیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ قرآن مجید میں فرعون پر چارج شیٹ لگائی جا رہی ہے کہ اس نے کچھ لوگوں کو دبا لیا تھا، ان کو مجبور کر دیا تھا، ان کو اپنا غلام بنا لیا تھا ــــ تو ہم نے ارادہ کیا کہ جن کو دبا لیا گیا تھا ہم ان پر احسان فرمائیں اور انہی کو قوت عطا فرما دیں اور انہی کو زمین میں دبدبہ عطا فرما دیں۔

نوعِ انسانی کے دبے ہوئے اور پسے ہوئے طبقات کو استحصال سے آزادی اور ظلم سے نجات صرف اُسی نظام میں مل سکتی ہے جو نظام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ وہ نظامِ عدل و قسط جس میں ہر ایک کے حقوق کی پاسداری تھی، جس میں ہر فرد کو حریت و آزادی کی نعمت میسر تھی، جس میں کوئی کسی کا آقا نہیں تھا، کوئی کسی کا محکوم نہیں تھا ؎

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے

لیکن آج ہمارا اپنا حال یہ ہے کہ عالمِ اسلام کا ایک بڑا علاقہ بادشاہی استبداد کے پنجوں میں ہے، جہاں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ کوئی بہت لوہے کا دباؤ ہے ان پر جو پڑا ہوا ہے، کوئی شخص بول نہیں سکتا۔ تو اس وقت ضرورت ہے کہ آپ لوگوں کو انقلاب کی طرف بلائیں اور ایک نظامِ عدل و قسط بالفعل نافذ کر کے دکھائیں۔

اس ضمن میں یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ یہ بڑی ناسمجھی کی بات ہے کہ اسلامی انقلاب صرف وہاں آسکتا ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ یہ بڑا مغالطہ ہے۔ ہندوستانی مسلمان بھی مجھ سے بات کرتے ہیں تو میں انہیں بھی سمجھاتا ہوں کہ سعودی عرب میں بھی کافی ہندوستانی مسلمان ہیں، میں نے اُن سے بھی بات کی ہے۔ میں نے کہا دیکھیے اگرچہ یہ فرض اوّلین طور پر پاکستان ہی پر عائد ہوتا ہے، کیونکہ ہم نے ہندوستانی مسلمان کو ہندو کے پاس یرغمال بنا کر آزادی حاصل کی ہے۔ ہم نے خون کی ندیاں بہا کر یہ خطۂ ارضی اس لیے حاصل کیا تھا کہ بقول قائداعظم ہم عہدِ حاضر میں اسلام کے اصول

حریت واخوت ومساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرسکیں۔ہم نے تو پاکستان لیا ہی اسلام کے نام پر تھا، اس لئے سب سے بڑی ذمّہ داری تو ہماری ہے۔اور ہم نے اس کے اندر جو بیوفائی کی ہے، جو غدّاری کی ہے، اللہ کے سامنے بدعہدی کی ہے، اس کی بہت بڑی سزا ہمیں مل چکی ہے ــــ ملک دولخت ہوا، ایک لاکھ جوان ہندو کا قیدی بنا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس سے بڑی سزا اور آجائے، اس لئے کہ میں نے ہر جگہ پر یہ کہا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیئے ۱۹۷۱ء کی اتنی بڑی سزا کا کوڑا ہماری پیٹھ پر پڑنے کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے شب و روز میں کوئی فرق واقع ہوا، میرے معمولات میں کوئی تبدیلی آئی، میری دلچسپیوں، میری زندگی کی امنگوں اور ولولوں میں کوئی فرق واقع ہوا۔کسی ایک شخص کے اندر بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی ــــ اور کوئی بعید نہیں کہ ہمارے جیسے مسلم اکثریت کے ممالک پر اللہ کے عذاب کا کوئی بہت بڑا کوڑا برسے لیکن یہ خیال دل سے نکال دیں کہ یہ کام صرف اکثریتی مسلمان ممالک کر سکتے ہیں۔میرے پاس اس کی ایک دلیل ایسی ہے کہ اس کے بعد کوئی شخص بول نہیں سکتا۔ اور وہ دلیل یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب کام شروع کیا تھا تو آپؐ اکیلے ہی تھے۔ آپ نے تنہا فرد واحد کی حیثیت سے دعوت کا آغاز کیا۔ اس دعوت میں ابوبکر صدیقؓ آپ کے پہلے ساتھی بنے۔ اپنی اہلیہ محترمہؓ دوسری ساتھی، چچا زاد بھائی علیؓ تیسرے ساتھی، اور اپنے ہی آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ چوتھے ساتھی بنے۔ دس برس میں بمشکل ایک سو افراد جمع ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اگلے دس برسوں میں کایا پلٹ دی، عظیم انقلاب آگیا۔ تو کون کہتا ہے کہ یہ اکثریتی ملک میں ہی ہو سکتا ہے۔ یہ اکثریتی ملک جو ہیں ان پر تو اللہ کے عذاب کے کوڑے برسیں گے۔ اور کسی ایسے ملک میں جہاں BASIC MORAL CHARAC-TER موجود ہو، جہاں اس کردار کے لوگ موجود ہوں کہ ایک بات کو مان کر پھر اس عمل کے لئے کمربستہ ہو جائیں تو شاید اللہ تعالیٰ وہاں کسی دعوت کی جڑ بنیاد ڈال دے تو آپ کی توجہ زیادہ تر ایمان پر ہونی چاہیئے۔ اور اس دعوت کا رخ انقلاب کی طرف ہونا چاہیئے۔

اس پر وہاں بعض حضرات کچھ جزبز ہوئے اور اس کی وجہ مجھے معلوم تھی۔ اس قسم کے جو ادارے ہیں ان کو جو پیسہ آتا ہے وہ پیٹرو ڈالر ہیں۔عرب ممالک سے چندے آتے ہیں۔ اب یہ سوچ بھی وہاں پروان چڑھ رہی ہے کہ ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا چاہیئے اور عرب حکومتوں کی امداد اور سرپرستی سے مستغنی ہو جانا چاہیئے۔ کیا عجب کہ ان کی یہ سوچ بھی رنگ لے آئے ــــ

لیکن اب تک صورت یہ ہے کہ وہاں جو چرچ اور بڑے بڑے قطعات خرید کر عالیشان مساجد اور اسلامک سنٹرز تعمیر کئے جاتے ہیں۔ اس کے لئے اکثر و بیشتر پیسہ عرب ممالک سے آرہا ہے اور دنیائے عرب میں جو سب سے زیادہ ناپسندیدہ لفظ ہے وہ " انقلاب" ہے۔ لہٰذا وہ صاحب جنہوں نے میری پہلی بات کو بہت سراہا تھا۔ انہوں نے اس پر کہا کہ بات صحیح ہے لیکن لفظ " انقلاب" کچھ مناسب نہیں ہے۔ میں نے اس پر ان سے کہا " I INSIST THIS WORD "
میں نے ان سے سورۃ الحدید کی آیۂ مبارکہ " لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ ...... الخ" کے حوالے سے بات کی کہ آپ کو یہ انقلابی تصور تو سامنے لانا ہوگا۔ وہ صاحب بعد میں مجھ سے ملے اور ڈیڑھ دو گھنٹے کا انٹرویو کیا شاید وہ اسے اپنے رسالے میں شائع کر دیں، کوئی مصلحت آڑے نہ آجائے۔ لیکن انہوں نے مانا کہ بات ٹھیک ہے۔ بہر حال یہ میرے اس سال کے مشاہدے کا دوسرا پہلو ہے۔ یہ مشاہدہ مجھے لندن میں بھی ہوا ہے۔ وہاں صرف دو دن کے نوٹس پر اجتماع ہوا تھا اور ریجنٹ پارک کے بیسمنٹ کا ہال پوری طرح بھر گیا تھا جنہیں نشستیں نہ مل سکیں وہ کھڑے رہے۔ معلوم ہوا کہ وہاں پر بھی اللہ کے فضل و کرم سے ہماری کیسٹس کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔

کیسٹس کے ذریعے قرآن کی انقلابی دعوت کا فروغ

آپ کو یاد ہوگا کہ ایران کے انقلاب کے بارے میں کہا گیا تھا کہ یہ CASSETTE REVOLUTION ہے۔ خمینی صاحب کوئی بہت بڑے مصنف نہیں تھے۔ یہ تو ان کی تقاریر تھیں جنہوں نے عوام کو جوش و جذبہ بخشا اور انہیں ایک انقلابی تحریک کے لئے اٹھا کھڑا کیا۔ جتنا عرصہ وہ عراق میں رہے وہاں سے ان کی تقاریر کے کیسٹس آتے رہے۔ جب وہ فرانس چلے گئے تو وہاں سے بھی یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ایک کیسٹ کا سمگل ہونا کونسا مشکل ہے۔ پھر اس کی COPIES تیار ہوتیں اور پورے ملک میں پھیل جاتیں۔ اپنے دورے میں میں یہ دیکھ کر آیا ہوں کہ الحمدللہ میرے دروسِ قرآن اور دورۂ ترجمۂ قرآن کے کیسٹ اتنے بڑے پیمانے پر دنیا میں پھیل رہے ہیں کہ واقعتہً میں خود بھی اندازہ نہیں کر پا رہا ہوں۔ لوگوں نے اپنے طور پر کلب قائم کئے ہوئے ہیں جہاں جمع ہو کر وہ مشترکہ طور پر ویڈیو کیسٹ دیکھتے ہیں اور آڈیو کیسٹ سنتے ہیں۔ اس کے علاوہ کاروں میں آتے جاتے ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹے کی تقریریں سنتے ہیں۔ کافی لوگوں کو میری تقاریر حفظ ہو گئی ہیں۔ میں یہ اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ یہ میرے کیسٹ ہیں، بلکہ یہ قرآن کا پیغام ہے۔ اس پیغام میں بڑی قوتِ تسخیر ہے۔

بیرونی ممالک میں اس قدر پذیرائی کے باوجود میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمیں سب سے زیادہ کوشش اپنے ملک میں کرنی چاہیے۔ میں نے وہاں ہر جگہ کہا ہے کہ آپ لوگ کوشش کریں، میری تائید اور میرا تعاون آپ کے ساتھ رہے گا، لیکن مجھے پاکستان میں کام کرنا ہے۔ MY PLACE OF DUTY IS PAKISTAN اور میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ مجھے تاریخ کے حوالوں سے ایسا لگتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس خطے ہی سے وہ کام لے گا۔ اور شاید ہماری یہ دولت جو باہر گئی ہوئی ہے وہاں سے واپس لوٹے اور اسلامی انقلاب کے لئے بہت بڑی طاقت بن جائے۔ بہرحال ہمیں تو کام یہیں کرنا ہے۔

وقت کی اہم ضرورت: رجوع الی القرآن

اس ضمن میں مجھے آپ کے سامنے دو باتیں رکھنی ہیں۔ ہم بھی وہی دو کام کر رہے ہیں جن کا مشورہ میں وہاں دے کر آیا ہوں۔ اوّلاً ایمان پر EMPHASIS اور ایمان کا منبع اور سرچشمہ ہے قرآن مجید! چنانچہ ہماری پکار ہے قرآن پڑھو اور پڑھاؤ! قرآن سیکھو اور سکھاؤ!! ؎ "قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں"۔ یہ انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی، قرآن کالج، قرآن کانفرنسیں، قرآنی تربیت گاہیں، قرآنی سلسلۂ اشاعت، حکمت قرآن کا پرچہ ــــ یہ سب کیا ہیں؟ ــــ درحقیقت یہی وہ چیز ہے کہ جس پر میں نے ۱۹۶۷ء سے، بلکہ اصل میں تو ۱۹۶۵ء کے اواخر سے کام شروع کیا۔ ۱۹۶۶ء میں تو میں نے اپنا پورا پروگرام "اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کرنے کا اصل کام" کے عنوان سے تحریر کر دیا تھا۔ میں نے اپنی توانائیاں اسی دعوت رجوع الی القرآن میں لگائی ہیں اور میں خوش ہوں اور مطمئن ہوں کہ میں نے جس کام کے اندر اپنا وقت لگایا ہے وہ اگر یہاں بارآور نہیں ہو رہا ہے تو باہر میں اس کو پھلتے پھولتے دیکھ رہا ہوں۔ یہاں تو یہ عالم ہے کہ قرآن کالج کا ہمارا جو پروجیکٹ چل رہا ہے، اس کے داخلوں کے لئے میں نے یہاں جمعہ میں کئی مرتبہ اعلان کیا ہے۔ لیکن میں حیران ہوتا ہوں کہ میرے بہت سے دوست احباب جو عرصۂ دراز سے میرے خطابات بھی سنتے ہیں، میرے ساتھ دعائیں بھی کرتے ہیں، مجھ سے تعاون بھی کرتے ہیں، نیک خواہشات بھی رکھتے ہیں، ان میں سے کسی کی مثال میرے سامنے نہیں آ رہی ہے کہ اس نے اپنے بچے کا رُخ بدل کر اسے دین کی طرف لگانے کا ارادہ کیا ہو۔ بہرحال ہماری تعلیمی اسکیمیں بحمداللہ تدریجاً آگے بڑھ رہی ہیں۔ اس سال سے ہم نے قرآن کالج کو، جس میں پہلے صرف

بی اے کی کلاسز ہوتی تھیں، ایف اے سے شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آج کل فرسٹ ائیر کے داخلوں کے لئے انٹرویوز ہورہے ہیں۔ اس میں امیدواروں کی تعداد اوران کا جذبہ حوصلہ افزا ہے۔ کچھ ایسے امیدوار بھی آتے ہیں جنہیں ایف سی کالج وغیرہ میں داخلہ مل چکا ہے لیکن وہ اس کو چھوڑ کر صرف قرآن سیکھنے کے لئے قرآن کالج میں داخلہ لینا چاہتے ہیں ــــــ ایف اے/ ایف ایس سی کر کے آنے والوں کے لئے بی۔اے (تین سالہ کورس) کا نظام بھی بدستور چل رہا ہے اوراس میں داخلہ کے لئے آج کل درخواستیں لی جارہی ہیں ــــــ مزید برآں ہمارے ہاں "دینی تعلیم کا ایک سالہ کورس" کا نظام بھی چل رہا ہے۔ اس کا داخلہ بھی ان دنوں کھلا ہے۔ اعلیٰ تعلیمیافتہ نوجوانوں کے لئے موقع ہے کہ وہ اللہ کے دین کے لئے ایک سال خالص کریں میں آپ کے سامنے یہ بات پہلے بھی رکھ چکا ہوں کہ امریکہ میں عیسائیوں کا ایک فرقہ "مارمنز" ہے۔ ان کے ہاں یہ بات طے ہے کہ ان کا ہر لڑکا اور لڑکی ہائی سکول کی تعلیم کے بعد دو سال مذہبی تعلیم و تربیت کے لئے لگاتا ہے۔ میں بھی یہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسی تعلیمی اسکیم شروع کی جائے لیکن یہاں ابھی تک مجھے اپنے بہترین ساتھیوں میں سے بھی کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو اپنے بچے کے لئے ایف اے/ایف ایس سی کے بعد دو سال دین کے لئے لگانے کا فیصلہ کر سکے۔ یہ وہ پہلو ہیں جو مایوس کن بن جاتے ہیں اس قوم کے بارے میں کہ یہاں کیا نتیجہ نکلے گا! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ حضرات سُن سُن کر بالکل 'سُن' ہوگئے ہیں ــــــ یہ دوسری بات ہے کہ میرے لئے اصل شے میرا احساسِ فرض ہے، میں نتائج سے بالکل بے پروا ہوں۔ میری سعی و جہد کا نتیجہ یہاں نہیں تو کہیں اور نکلے گا! دنیا میں نہیں تو آخرت میں تو مجھے اس کا اجر و ثواب مل ہی جائے گا!!

انقلابی نہج پر کام بھی ناگزیر ہے

ہمارا دوسرا کام تنظیم کی سطح پر ہے۔ یہ اگرچہ ابتدائی مراحل میں ہے لیکن ایک انقلابی تنظیم ہے جو ہم قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جو مشورے میں وہاں دیکر آیا ہوں، الحمد للہ ان چیزوں پر خود عمل پیرا ہوں۔ ایمان و یقین کے حصول کے لئے اس کے منبع و سرچشمہ قرآن حکیم کی طرف رجوع کی دعوت اور انقلاب کے لئے تنظیم اسلامی۔ اس تنظیم کی حیثیت اسلام کے حق میں اور منکرات کے خلاف ایک مزاحمتی تحریک کی ہوگی۔ اس کے ضمن میں ہماری جو دعوتی اور تنظیمی

سرگرمیاں چل رہی ہیں، آپ کے علم میں ہے کہ ہم نے اس سلسلے میں کچھ مظاہرے شروع کئے ہیں۔ وہ مظاہرے اُن عام مظاہروں سے بہت مختلف ہیں کہ جن میں توڑ پھوڑ اور تشدد کی روش اختیار کی جائے، سڑک پر ٹائر جلا کر دس آدمی ناچ رہے ہوں اور ٹریفک روک دیا جائے۔ بس اخبارات میں فوٹو آجائیں اور اگر اخبار میں فوٹو نہیں دیں گے تو اخبار کے دفتر پر حملہ ہو جائے گا۔ ان مظاہروں کے برانڈ ہی اور ہیں۔ ہمارے مظاہرے ایک بالکل نئی نوعیت کے ہیں۔ یہ درحقیقت لوگوں کے ضمیر کو جگانے کی کوشش ہے۔ اخبارات کی عریانی اور فحاشی کے خلاف متعدد مظاہرے ہو چکے ہیں۔ ٹی وی سٹیشن پر بھی گزشتہ ماہ مظاہرہ ہوا ہے۔ اس نوع کے مظاہرے ملتان، کراچی اور راولپنڈی میں ہو چکے ہیں۔ اب اس ماہ کی ۲۷ تاریخ کو ہم نے "سیور ریفل ٹکٹ" کے خلاف لوگوں کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لئے مظاہرہ کا فیصلہ کیا ہے۔ اتنے بڑے پیمانے پر یہ جُوا جو ہو رہا ہے، اس کی شاید ہماری تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہ مل سکے۔ جُوا ملکی قانون کی رُو سے بھی جرم ہے اور کہیں چند لوگ بیٹھ کر جُوا کھیلتے ہیں تو ان پر چھاپے مارے جاتے ہیں۔ لیکن یہ اتنا بڑا جُوا جو اس ملک میں ہو رہا ہے اور اتنے بڑے پیمانے پر اس کی پبلسٹی ہو رہی ہے اس پر کسی کو لب کشائی کی توفیق نہیں ہو رہی۔ علماء خاموش ہیں کیونکہ ان کی دلچسپیاں کسی اور ہی مسئلے میں ہیں۔ جُوا تو وہ قباحت ہے جسے قرآن شراب کے ساتھ بریکٹ کرتا ہے۔ اور اسے شیطان کے افعال میں سے قرار دیتا ہے۔ (اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ..... الخ) آپ حضرات سے گزارش ہے کہ تھوڑا سا وقت نکال کر اس میں شرکت کیجئے لیکن نظم کی پابندی اس کے لئے شرطِ اوّل ہو گی۔ یہ لوگوں کا ضمیر بیدار کرنے کی ایک کوشش ہے کہ شاید کسی کو ہوش آجائے جب وہ دیکھے کہ ملک کے باعزت شہری کتبے اور بینر لئے کھڑے ہیں کہ "لوگو، ہوش میں آؤ! عذابِ خداوندی کو دعوت نہ دو!! آج جو محاذ آرائیاں چل رہی ہیں اور قومیتوں کا جو ٹکراؤ ہو رہا ہے یہ سب عذابِ خداوندی ہے۔ جب تک ہم اپنے آپ کو نہیں بدلیں گے، یہ عذاب ٹلنے والا نہیں ہے بلکہ اس کی شدت بڑھتی چلی جائے گی۔ قرآن مجید نے دو مرتبہ یہ بات کہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ "اللہ تعالیٰ کبھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ قوم خود اپنے آپ کو نہ بدلے!" ـــــ

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

ملکی حالات پر ایک نظر

اب میں ملکی حالات کے ضمن میں کچھ عرض کروں گا۔ آج سے بیالیس دن قبل جب میں اس ملک سے گیا تھا تو یہاں کی محاذ آرائی کے باعث بہت ہی بد دل گیا تھا۔ محاذ آرائی جب شدت اختیار کر جاتی ہے تو غیر جانب دار کا جینا محال ہو جاتا ہے۔ صورت یہ ہو جاتی ہے کہ اگر تم ہمارے ساتھ نہیں ہو تو گویا تو تم ہمارے دشمن ہو۔ یا تو ہماری ہاں میں ہاں ملاؤ تب تو ٹھیک ہے، اگر نہیں تو پھر تم ہمارے دشمن کے ساتھی ہو۔ دونوں طرف سے یہی سمجھا جائے گا کہ جو میرے ساتھ نہیں وہ میرا دشمن ہے۔ لہٰذا یہاں کوئی آزاد بات کرنا مشکل ہے کہ نامعلوم اسے کیا کیا معنی پہنائے جائیں۔ میں چلا گیا تھا کہ شاید اس دوران معاملہ کسی ایک طرف ہو جائے لیکن میں ایک چلہ باہر گزار کر آیا ہوں اور یہاں آکر دیکھا تو معاملہ وہیں کا وہیں ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ خراب ہو گیا ہے۔ تلخی بڑھتی جا رہی ہے ؎

یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین　　　پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ!

اللہ ہی بچائے کہ صورت حال کیا ہوتی جا رہی ہے۔ خبروں کی سرخیاں پڑھیں تو کپکپی طاری ہوتی ہے کہ اس ملک کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ کیا بالکل اندھے ہو گئے ہیں، بہرے ہو گئے ہیں، پاگل ہو گئے ہیں، مجنون ہو گئے ہیں۔ کسی کو کوئی ہوش نہیں کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔! ان حالات میں جنرل اسلم بیگ صاحب کا حالیہ بیان امید کی ایک کرن بن کر سامنے آیا ہے معلوم ہوا کہ الحمدللہ ہمارے اوپر جو ذمہ دار بیٹھے ہوئے ہیں انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔ ایک تو صدر غلام اسحاق خاں صاحب بہت جہاں دیدہ، سرد و گرم چشیدہ اور بہت متحمل مزاج آدمی ہیں۔ وہ جو کچھ کریں گے اصول کے مطابق کریں گے۔ جو فیصلہ بھی کریں گے امید ہے کہ صحیح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ کسی وقت کسی اشتعال میں آکر کوئی غلط قدم نہ اٹھائیں۔ اس لئے کہ جو کوئی جتنے بڑے مقام پر ہوتا ہے اس کی ذرا سی غلطی اتنے ہی بڑے مصائب پیدا کرتی ہے۔ دعا کریں کہ جو تحمل، سکون، بردباری اور صبر و ثبات ان کی طرف سے سامنے آ رہا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس پر قائم رہنے کی توفیق دیں اور وہ جو فیصلہ بھی کریں وہ اس ملک و ملت کے حق میں ہو اور دستور و آئین کے مطابق ہو۔

دوسری طرف یہ کہ میں نے بہت پہلے بھی مسلح افواج کے بارے میں کہا تھا کہ الحمدللہ انہوں نے جو بھی کردار ادا کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ انہوں نے الیکشن کروائے حالانکہ ان کے لئے حکومت کی زمام کار سنبھال لینے کا موقع تھا۔ جنرل اسلم بیگ نے بالکل صحیح کہا ہے کہ اگر ہم ۱۷ اگست کو عنانِ حکومت سنبھال لیتے تو ہمیں کون روک سکتا تھا۔ اس پر ایک شخص بھی اعتراض کرنے والا نہ ہوتا۔ دنیا میں کوئی شخص بھی نہ ہوتا جو کہ انگلی رکھ سکتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ الحمدللہ ثم الحمدللہ ہماری ملٹری کی اعلیٰ قیادت یک سو ہو کر فیصلہ کر چکی ہے کہ یہ معاملہ دستوری اور جمہوری طور پر ہی آگے چلنا چاہیئے اور اس میں ہمیں کوئی ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیئے۔ البتہ جب کبھی کسی مسئلہ میں حکومت مدد طلب کرے گی ہم حاضر ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بہت ہی معقول موقف ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس پر استقامت عنایت فرمائیں۔ دو باتوں کے بارے میں میری رائے پہلے بھی یہ تھی اور آج بھی وہی پختہ رائے ہے کہ :

مارشل لا اس ملک کے لیے مہلک ہے!

ایک تو اس ملک میں مارشل لا کبھی نہیں آنا چاہیئے۔ مارشل لاء اس کے لئے سمّ قاتل ہے۔ پہلے بھی اس ملک کو دو ٹکڑے کروایا تو اس مارشل لاء نے اور اگر اب مارشل لاء آگیا تو یہ ملک ٹکڑے ہو کر رہے گا۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے امریکہ میں بھی اور لندن، ریاض، الخبر وغیرہ ہر جگہ اس کا جواب دیا ہے اور لوگوں نے مانا ہے۔ میں نے کہا دیکھئے ترکی میں سو برس تک مارشل لاء رہے تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ ترکی ایک ملک ہے جو اکثر و بیشتر ایک قوم، ایک نسل اور ایک زبان بولنے والوں پر مشتمل ہے۔ انہی میں سے فوج، انہی میں سے سول بیوروکریسی اور انہی میں سے ملٹری بیوروکریسی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ نارتھ ایسٹ میں ایک کونے میں آرمینیز ہیں یا ساؤتھ ایسٹ میں ایک کونے ہی میں کُرد ہیں یا عرب ہیں۔ لہٰذا وہاں مارشل لاء سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ لیکن پاکستان کا معاملہ عجیب ہے۔ جب صدر ایوب خان نے پہلا مارشل لاء لگایا تو ہمارے بنگالی بھائیوں نے فوراً کہہ دیا کہ فوج مغربی پاکستان کی ہے، ہماری نہیں ہے۔ لہٰذا فوج کی حکومت کا مطلب یہ ہے کہ ہم پر مغربی پاکستان حکومت کر رہا ہے۔ لاکھ آپ نے ان کو کھانے کو بھی دیا، پہننے کو بھی دیا، مل بھی لگا دیئے، صنعتی ترقی بھی کر دی اور وہاں موتی جھیل گلبرگ جیسا علاقہ بھی بنا دیا۔

یہ سب کچھ ہوگیا مگر یہ سب کچھ ترقی صفر سے ضرب کھا کر صفر ہو جاتی ہے کہ مارشل لاء کی حکومت کا مطلب ہے مغربی پاکستان کی حکومت۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے انگریز اور ہندو کی غلامی سے اس لئے نجات حاصل نہیں کی تھی کہ مغربی پاکستان کے غلام بن جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک دولخت ہوگیا۔ یہی معاملہ اس وقت پاکستان میں پھر درپیش ہے۔ فوج پنجاب سے ہے یا سرحد سے۔ سندھ سے فوج میں کوئی حصہ نہیں، اس طرح سے بلوچستان سے بھی نہیں۔ مارشل لاء جب بھی آئے گا جنوبی صوبوں میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ شمالی صوبے ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ اور شمالی صوبوں میں بھی ساری گالی پنجاب کو پڑتی ہے۔ پنجابی فوج، پنجابی حکومت، ــــ پنجاب نے یہ کر دیا ہے، وہ کر دیا ہے۔ یہ شے ہے کہ جو ملک کو توڑنے والی ہے۔ میں نے تو بیگ صاحب کی باتیں پڑھ کر یہ محسوس کیا ہے کہ ان کی بات بالکل وہی ہے جو کہ میری رائے ہے۔

ہنگامہ آرائی کی سیاست سے اجتناب ضروری ہے!

اور دوسری بات جو کہ میں نے پہلے بھی کہی تھی، اب اس کا پھر اعادہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ کسی بھی حساس مذہبی مسئلہ پر ہنگامہ کھڑا کر دینا اور غیر منظم اور غیر تربیت یافتہ افراد کو سڑکوں پر لے آنا، یہ بھی اس ملک کے لئے سمِ قاتل ہے۔ مذہبی معاملات بہت حساس ہوتے ہیں۔ ان میں لوگ جذبات میں آکر جان پر کھیل جاتے ہیں، لیکن چونکہ وہ نہ تو منظم ہوتے ہیں اور نہ ان کی تربیت ہوئی ہوتی ہے، لہٰذا ہنگامہ و فساد اور توڑ پھوڑ کے سوا کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ ان کے ذریعے تخریب ہو سکتی ہے، تعمیر نہیں! ایوب خان کی ٹانگ گھسیٹی گئی، یحییٰ خان کی گھسیٹی گئی اور اگر یہ حادثہ نہ ہوتا تو یہی صورت حال ضیاء الحق صاحب کے ساتھ بھی پیش آنے والی تھی۔ تمام مذہبی جماعتیں ان کے خلاف اکٹھی ہوگئی تھیں۔ جماعتِ اسلامی بھی شاید ایم آر ڈی میں شمولیت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جماعت کا پیپلز پارٹی سے گٹھ جوڑ ہو رہا تھا۔ یہی راؤ رشید صاحب ہیں کہ جنھیں کراچی میں اسلامی جمعیت طلبہ کی ریلی میں مہمان مقرر کی حیثیت سے بلایا گیا تھا۔ حالات اس رُخ پر جا رہے تھے۔ یہ تو اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا کہ اس نے ضیاء الحق صاحب کو شہادت کی موت عطا فرما دی اور اس ملک کے اندر جمہوریت کے لئے راستہ کھول دیا، ورنہ صورت وہی ہوتی۔ لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی کریں دستور و آئین کے مطابق کریں۔ بے نظیر کے خلاف اگر عدم اعتماد کی تحریک لا سکتے ہیں تو لائیں، یہ راستہ کھلا ہوا ہے۔ اسی طریقے پر جو

راستے قانونی اور دستوری ہیں ان کا اختیار کرنا بالکل صحیح ہے اور اس میں بھی امید کی ایک کرن یہ نظر آتی ہے کہ ہمارے یہاں بڑے پیمانہ پر کوئی توڑ پھوڑ نہیں ہو سکی ہے حالانکہ خرید و فروخت کے لئے پیسہ دونوں طرف موجود تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ STABILITY آچکی ہے، کچھ نہ کچھ لوگوں کے اندر پارٹی سے مضبوط وابستگی کا احساس ہو گیا ہے۔ یہ بھی ایک اچھی بات ہے۔ اب جو کچھ کرنا ہو وہ ایوان میں کریں۔ ہندوستان کی مثال سامنے رکھیں کہ اندرا گاندھی اگر حکومت سے محروم ہوئی تو ووٹ کی بنیاد پر اور دوبارہ برسر اقتدار آئی تو ووٹ کی بنیاد پر۔ یہی راستہ ہم کو اختیار کرنا ہوگا۔ اس میں جو بھی کوشش کی جا سکتی ہو وہ کریں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اس وقت ملک کی جو فضا بن گئی ہے اللہ تعالیٰ اس کو بہتری کی طرف موڑ دے۔ ایک حدیث کے مطابق لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے مابین ہیں اور وہ ان کو جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ میں حکومت اور اپوزیشن دونوں کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں کو پھیر دے۔ اور وہ ذاتی یا گروہی یا جماعتی مفادات سے ملک و قوم کے مفادات کو بالاتر رکھیں۔

اقول قولی ھٰذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تالیف

استحکامِ پاکستان

قیمت : مجلد -/۴۰ روپے، غیر مجلد -/۲۵ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن
فون : ۸۵۶۰۰۳

پاکستان کیوں بنا — کیسے بنا
پاکستان کیوں ٹوٹا — کیسے ٹوٹا
اب ٹوٹا تو ---
پاکستان کی تاریخ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ
اندھیروں میں اُمید کی ایک کرن
لفظ لفظ میں — وطن کی محبت
سطر سطر میں — ایمان کی چاشنی
عمل کا پیغام ---

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

تواصی بالحق کا ذروۂ سنام جہاد و قتال فی سبیل اللہ

(۱)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ سُوْرَۃِ الْحُجُرَاتِ :
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○
وَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ سُوْرَۃِ الْبَرَآءَۃِ :
قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ○

صدق اللّٰہ العظیم

الحمدللہ کہ ہم اس وقت مطالعۂ قرآن حکیم کے اس منتخب نصاب کے حصۂ چہارم کا آغاز کر رہے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ حصہ "سورۃ العصر" میں وارد شدہ لوازمِ فوز و فلاح یا آسان الفاظ میں شرائطِ نجات میں سے تیسری شرط یعنی تواصی بالحق کی مزید تشریح اور تفصیل پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں ہمارے اس منتخب نصاب میں مختلف مواقع پر جو مباحث آ چکے ہیں، آگے بڑھنے

سے قبل ان پر ذرا ایک نگاہِ بازگشت ڈال لینا مفید ہوگا۔ سب سے پہلے تو "تَوَاصِیْ بِالْحَقِّ" کی اصطلاح ہی پر دوبارہ غور کر لیجئے۔ لفظ 'تواصی' وصیت سے بنا ہے اور وصیت میں تاکید کا مفہوم بھی شامل ہے۔ کوئی بات ناصحانہ انداز میں، خیرخواہی کے جذبے کے تحت، انتہائی شدّ و مد کے ساتھ کہی جائے تو عربی زبان میں اُسے وصیّت سے تعبیر کیا جاتے گا۔ پھر جب یہ لفظ بابِ تفاعُل سے آیا یعنی "تواصی" تو اس میں مبالغے کا مفہوم بھی پیدا ہو گیا۔ یعنی یہ عمل بڑے اہتمام اور پوری شدّت و تاکید کے ساتھ مطلوب ہے۔ دوسری طرف مزید توجّہ دلادی گئی کہ کسی بھی صحت مند اجتماعیت کے لئے ناگزیر ہے کہ اس کے شرکار ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہیں اور ایک دوسرے کو خیر و بھلائی کی بات کہتے رہیں۔ اسی طرح لفظ "حق" بھی بہت جامع ہے۔ جیسے کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ ہر وہ چیز جو عقلاً مُسلّم ہو، اخلاقاً واجب ہو، بامقصد اور نتیجہ خیز ہو، جو صرف وہمی و خیالی نہ ہو بلکہ واقعی ہو، 'حق' ہے۔ اس اعتبار سے 'تواصی بالحق' کا مفہوم انتہائی وسعت اختیار کر جاتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی حقیقتوں اور چھوٹے سے چھوٹے حقوق سے لے کر اس سلسلۂ کون و مکان کی عظیم ترین حقیقت یعنی "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" ان سب کی تبلیغ، نشر و اشاعت اور اعلان و اعتراف تواصی بالحق کے مفہوم میں شامل ہے۔ اس کے بعد ہمارے اس منتخب نصاب کے حصہ اوّل میں دوسرا جامع سبق آیۂ بِرّ پر مشتمل تھا۔ اس کے آخر میں واضح کر دیا گیا کہ یہ تواصی بالحق اس شان کے ساتھ مطلوب ہے کہ خواہ اس کے ضمن میں انسان کو فقر و فاقہ سے دوچار ہونا پڑے، خواہ جسمانی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں، خواہ اس کا تقاضا ہو کہ انسان نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں حاضر ہو جائے اور اپنی جان کا ہدیہ اس راہِ حق میں پیش کر دے، اس کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے۔ یہ انسان کے فی الواقع متقی، نیک اور صالح ہونے کے لئے ناگزیر ہے۔

تیسرے سبق میں تواصی بالحق کے ضمن میں ایک نئی اصطلاح "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" سامنے آئی تھی۔ وہاں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ معروف اور منکر کے الفاظ میں جس قدر وسعت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے اس کے اعتبار سے گویا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر خیر، ہر نیکی، ہر بھلائی، ہر حقیقت اور ہر صداقت کی تبلیغ و تلقین، دعوت و نصیحت، تشہیر و اشاعت اور اعلان و اعتراف حتّٰی کہ ترویج و تنفیذ ہو اور اس راہ کی ہر تکلیف کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا جائے۔ اس لئے کہ وہاں فرما دیا گیا تھا:

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

اسی طرح ہر بدی اور برائی کی رَدّ و قدح، تنقید و احتساب، انکار و ملامت حتیٰ کہ انسداد و استیصال کی ہر ممکن سعی و کوشش لازم اور ضروری ہے۔

پھر چوتھے سبق میں "دعوت الی اللہ" کی اصطلاح وارد ہوئی اور اس طرح تواصی بالحق کی بلند ترین منزل کی نشاندہی کر دی گئی۔ اس لئے کہ بفحوائے الفاظِ قرآنی "ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ" مجسّم اور کامل حق صرف ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے اور ؎

وہی ذاتِ واحد عبادت کے لائق
زباں اور دل کی شہادت کے لائق

کے مصداق اسی کی اطاعت و عبادت کا التزام، اسی کی شہادت علیٰ رؤس الاشہاد اور اسی کی اساس پر انفرادی و اجتماعی زندگی کو استوار کرنے کی سعی و جہد تواصی بالحق کا ذروۂ سنام (Climax) یا نقطۂ عروج ہے۔

اور آخر میں سورۃ الحجرات زیرِ درس آئی جس میں حد درجہ جامع آیت حقیقی ایمان کی تعریف کے ضمن میں وارد ہوئی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا......

گویا ایمان حقیقی کے دو ارکان کا بیان اس آیتِ مبارکہ میں ہو گیا — اولاً وہ ایمان جو ایک یقین کی صورت اختیار کر کے قلب میں جاگزیں ہو جائے اور ثانیاً اس کا وہ مظہر جو انسان کے عمل میں، اس کی عملی روش میں، اس کے رویّے میں نظر آنا چاہئے۔ اُسے تعبیر کیا گیا جہاد فی سبیل اللہ کے عنوان سے۔ فرمایا گیا:

وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ "جہاد فی سبیل اللہ" ہمارے منتخب نصاب کے چوتھے حصے کے لئے اب ایک اہم عنوان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس اصطلاح نے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر دونوں کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک مرحلے پر سورۃ البراءۃ یا سورۃ التوبہ کی ایک آیت کا حوالہ اس منتخب نصاب کے دوران آ چکا ہے اور آج پھر آغازِ کلام میں اس کی تلاوت کی گئی ہے۔ سورۃ التوبہ کی اس آیت میں ہر مومن کے لئے ایک ترازو فراہم کر دی گئی ہے کہ وہ اسے اپنے باطن میں نصب کر کے اپنے آپ کو تولے، اپنے

آپ کو جانچے اور پرکھے کہ وہ ایمان کے اعتبار سے حقیقۃً کس مقام پر کھڑا ہے۔ فرمایا گیا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ﰳاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ ....

"اے نبی! ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے کنبے اور وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور وہ کاروبار (جو تم نے بڑی محنت سے جمائے ہیں اور) جن کی کساد بازاری کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے، اور وہ مکان (اور جائیدادیں جو بڑے اہتمام سے بنائی گئی ہیں اور جن کی تزئین و آرائش پر بہت کچھ صرف کیا گیا ہے) جنہیں تم بہت پسند کرتے ہو"......

یعنی پانچ علائقِ دنیوی اور تین مال و اسبابِ دنیوی کی صورتیں اس ترازو کے ایک پلڑے میں ڈال دو اور دوسرے پلڑے میں ڈالو اللہ کی محبت اس کے رسولؐ کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت اور پھر دیکھو کہیں علائقِ دنیوی اور مال و اسبابِ دنیوی والا پلڑا جھک تو نہیں رہا۔

اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا....

"(اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے تو جاؤ انتظار کرو"..... بلکہ بامحاورہ ترجمے میں اس کا صحیح مفہوم اس طرح ادا ہوگا کہ "جاؤ دفع ہو جاؤ"۔ حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ "یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ اپنا فیصلہ سنا دے"۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ "اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ان دو آیات کے حوالے سے اب آج ہم اس بات پر غور کریں گے کہ جہاد فی سبیل اللہ ہے کیا؟ اس لفظ کے لغوی معنی کیا ہیں، اس کا حقیقی مفہوم کیا ہے، ہمارے دین میں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے، اس جہاد کی کیا کیا شکلیں ہیں، اس کے مقاصد کیا ہیں، اس کا نقطۂ آغاز کیا ہے، اس کی پہلی منزل کیا ہے اور اس کی آخری منزل مقصود کونسی ہے!! یہ بنیادی باتیں حقیقتِ جہاد کے بارے میں آج کی گفتگو کا موضوع ہیں۔

اس ضمن میں یہ بات عرض کر دینا شاید نامناسب نہ ہو کہ جس طرح ہمارے تمام دینی تصورات

ایک طویل انحطاط کی بدولت نہ صرف یہ کہ محدود (LIMITED) ہو گئے بلکہ مسخ (PERVERTED) ہو چکے ہیں ۔ اسی طرح واقعہ یہ ہے کہ جہاد کا لفظ بھی ہمارے ہاں بہت ہی محدود معنٰی میں استعمال ہو رہا ہے ، بلکہ اکثر و بیشتر بہت غلط معنٰی میں استعمال ہوتا ہے ۔ چنانچہ اس ضمن میں ایک مغالطہ تو یہ ہوا کہ جہاد کو جنگ کے ہم معنٰی بنا دیا گیا ، حالانکہ جہاد کے معنٰی ہر گز جنگ نہیں ہیں ۔ جنگ کے لئے قرآن مجید کی اپنی اصطلاح " قتال " ہے جو قرآن میں بکثرت استعمال ہوئی ہے ۔ یہ اصل میں جہاد کی ایک آخری صورت اور آخری منزل ہے لیکن جہاد اور قتال کو بالکل مترادف بنا دینے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب جہاد کی وسعت اور ہمہ گیری پیشِ نظر نہیں رہی ۔ اس ایک مغالطے کے بعد ستم بالائے ستم اور ظلم بالائے ظلم یہ ہوا ہے کہ مسلمان کی ہر جنگ کو جہاد قرار دے دیا گیا ، خواہ وہ خیر کے لئے ہو یا شر کے لئے ۔ کوئی ظالم و جابر مسلم حکمران اپنی نفسانیت کے لئے ، اپنی ہوسِ ملک گیری کے لئے کہیں خونریزی کر رہا ہو تو اس کا یہ عمل بھی جہاد قرار پایا اور اس طرح اس مقدس نام کی حُرمت کو بٹہ لگایا گیا ہے ۔ تو آج کی اس مختصر سی صحبت میں ذرا تفصیل کے ساتھ اور بنظرِ غائر یہ جائزہ لینا ہو گا کہ قرآن مجید کے نزدیک جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے !!

جیسے کہ اس سے پہلے بھی اس منتخب نصاب کے دروس کے دوران کئی مرتبہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عربی زبان بڑی سائینٹفک زبان ہے ۔ اس کے ننانوے فیصد سے زیادہ الفاظ وہ ہیں جن کا ایک سہ حرفی مادہ (ROOT) ہوتا ہے ۔ اور اس کے تمام مشتقات کا دارومدار اسی مادے یا ' جڑ ' پر ہوتا ہے اور اس کا مفہوم اس سے نکلنے والے تمام الفاظ میں موجود رہتا ہے ۔ گویا یہ ' جڑ ' تو اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ کے انداز میں اپنی جگہ مضبوطی کے ساتھ قائم رہتی ہے ، لیکن مختلف سانچوں میں ڈھل کر وہ مادہ کچھ اضافی مفہوم اپنے اندر جمع کرتا چلا جاتا ہے ۔ لفظ جہاد کا سہ حرفی مادہ " ج ۔ ھ ۔ د " ہے اور یہ لفظ اردو بولنے اور اردو لکھنے والوں کے لئے کسی درجہ میں بھی نامانوس نہیں ہے ۔ جہدِ مسلسل ، جدّ و جہد یہ الفاظ اردو زبان میں مستعمل ہیں ۔ جہد کے معنٰی ہیں کوشش کرنا ۔ انگریزی میں اس کا مفہوم ان الفاظ میں ادا ہو گا ۔ ' TO EXERT ONE'S UTMOST ' کسی بھی مقصد کے لئے ، کسی بھی معیّن ہدف کے لئے محنت کرنا ، کوشش کرنا ، مشقّت کرنا ، جدوجہد کرنا اصلاً ' جُہد ' ہے ۔ لیکن عربی زبان میں جیسا کہ عرض کیا گیا وہی مادہ جب مختلف سانچوں میں ڈھلے گا ، مختلف ابواب سے اس کے مصادر بنیں گے تو ان

میں اضافی مفہوم شامل ہو جائے گا۔ " مفاعلہ" ثلاثی مزید فیہ کا ایک باب ہے۔ اس باب میں جو الفاظ آتے ہیں اور جو مصدر اس وزن پر ڈھلتے ہیں ان میں دو مفہوم اضافی طور پر شامل ہو جاتے ہیں۔ ایکؔ یہ کہ اس باب میں دو فریقوں یا ایک سے زائد فریقوں کی شرکت و مشارکت کا مفہوم شامل ہو جاتا ہے۔ اب یہ 'مشارکت' خود بھی 'مفاعلہ' کے ہی کے وزن پر ہے اور دوسرے یہ کہ ہر ایک فریق کا دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش اور بازی لے جانے کی سعی کا مفہوم بھی اس میں خود شامل ہو جائے گا۔ جیسے " مباحثہ" دو افراد یا دو فریقوں یا دو گروہوں کے مابین بحث کا نام ہے، جن میں سے ہر فریق کی کوشش یہ ہے کہ وہ اپنے نقطۂ نظر کی حقانیت کو دلائل دے کر ثابت کرے اور فریق مخالف کے نقطۂ نظر کا ابطال کرے۔ اور اس کی غلطی کو ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ " مناظرہ" اسی سے بنا ہے۔ اسی طرح دو فریق آمنے سامنے آئیں اور ان میں سے ہر فریق کی کوشش یہ ہو کہ دوسرے کو زیر کرے اور خود بالادستی حاصل کرے تو یہ" مقابلہ" ہے۔ اس پر بے شمار الفاظ بنتے چلے جائیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ " مشاعرہ" میں بہت سے شعراء کسی ایک دیئے ہوئے مصرعے پر طبع آزمائی کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مشاعرہ لُوٹ لے جائے تو اس وزن پر آنے والے ان تمام الفاظ میں یہ دو مفہوم لازماً پیدا ہو جائیں گے گے کہ کسی عمل میں مشارکت اور اس مشارکت میں اس بات کی کوشش کہ ہر فریق دوسرے فریق کو زیر کرنے اور نیچا دکھانے کی کوشش کرے۔ اب اسی وزن پر ایک لفظ " مجاہدہ" بنا ہے اور اسی سے مقاتلہ" بنا ہے۔ 'قتل' اور 'مقاتلہ' میں فرق یہ ہوگا کہ قتل ایک یکطرفہ فعل ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ مقاتلہ یہ ہے کہ دو افراد ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے آمنے سامنے آکھڑے ہوں، وہ اِسے قتل کرنے کے درپے ہو اور یہ اُسے قتل کرنے کے درپے ہو۔ اسی طرح لفظ 'جہد' میں یکطرفہ کوشش کا تصوّر سامنے آتا ہے یعنی کسی ہدف اور کسی مقصود کے لئے محنت کی جا رہی ہے، مشقت ہو رہی ہے، جبکہ مجاہدہ میں ایک اضافی تصوّر سامنے آئے گا کہ کوشش میں مختلف فریق شریک ہیں۔ ہر ایک کا اپنا کوئی مقصد اور اپنا کوئی نقطۂ نظر ہے۔ اور ہر ایک اس کوشش میں ہے کہ اپنے مقصد کو حاصل کرے۔ اور اپنے خیال یا اپنے نقطۂ نظر کو دنیا میں سربلند کرنے کی کوشش کرے۔ 'جہاد فی سبیل اللہ' درحقیقت قرآن مجید کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ جہاد اور مجاہدہ دونوں باب مفاعلہ سے مصدر ہیں۔ انگریزی میں اب اس کو یوں ادا کیا جائے گا: TO STRUGGLE HARD اس لئے کہ STRUGGLE میں کشمکش کا مفہوم شامل ہے۔ جہد صرف کوشش ہے جبکہ جہاد یا مجاہدہ کشمکش اور کشاکش ہے۔

اور انگریزی کے اس لفظ STRUGGLE میں بھی وہ تصوّر موجود ہے کہ مخالفتوں اور موانع کے علی الرغم اپنے مقصدِ معیّن کی طرف پیش قدمی کرتے چلے جانا۔ اب ظاہر بات ہے کہ مجاہدہ خواہ کسی مقصد کے لئے ہو اس میں انسان کی صلاحیتیں، قوتیں اور توانائیاں بھی صرف ہوں گی اور مالی وسائل و ذرائع بھی صرف ہوں گے۔ ان دو کے بغیر کوئی کوشش دنیا میں نہیں ہوگی واقعہ یہ ہے کہ ابتدائی سطح پر کسی بھی مقصد کے لئے کسی بھی نصب العین کے لئے، کسی بھی خیال کی ترویج و اشاعت کے لئے انسان کو کچھ مالی وسائل و ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن سے وہ اپنے نصب العین اور آئیڈیا کو PROJECT کر سکے، اس کی تشہیر و اشاعت ہو اور اسے وسیع حلقے میں پھیلایا جائے۔ لہٰذا قرآن مجید میں بھی آپ دیکھیں گے کہ اس مجاہدے کے ساتھ دو الفاظ آپ کو ہر جگہ ملیں گے۔ " بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ " یعنی اس مجاہدے، اس جد وجہد اور اس کوشش میں اپنے مال بھی کھپاؤ، اپنی جانیں بھی کھپاؤ۔ جیسے کہ ہم نے ابھی دیکھا۔ سورۃ الحجرات کی آیت میں ارشاد ہوا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ " اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ"۔

اس جہاد کے لئے ایک تیسری چیز جو ضروری ہے وہ کسی ہدف کا معیّن ہونا ہے۔ کوئی مقصود معیّن ہو، کوئی نصب العین، کوئی آدرش جس کے لئے وہ محنت اور مشقت کی جائے۔ اسی کی نظریاتی سطح پر نشر و اشاعت ہوگی۔ اسی کے لئے پھر محنتیں ہوں گی، اسی کی سربلندی کے لئے کوششیں ہوں گی۔ تو گویا کہ اس جہاد کے لئے اس ہدف کا تعیّن ضروری ہے۔ اب فرض کیجئے کہ ایک شخص اپنی برتری کے لئے، اپنی بالادستی کے لئے، اپنے اقتدار کے لئے اور اپنے مفادات کے لئے محنتیں کر رہا ہے۔ یہ اس کا ہدف معیّن ہے۔ تو یہ بھی مجاہدہ ہے۔ اس لئے کہ ظاہر بات ہے کہ یہاں مختلف مقابل قوتیں موجود ہیں، ہر شے کے لئے مسابقت (COMPETITION) ہے، لہٰذا اس کے لئے اُسے STRUGGLE کرنا ہوگی، محنت کرنا ہوگی، اُسے دوسروں سے آگے بڑھنا ہوگا، اُسے محنت و مشقت میں اپنے حریف یا مخالف سے بازی لے جانی ہوگی۔ اس کے بغیر اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے، اپنی ذاتی سربلندی کے لئے یا اپنی ذات کے لئے دنیوی آسائشوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کر لینے کے مقصد میں بھی کامیابی حاصل کر سکے۔ اس کو آپ یوں کہیں کہ یہ "مجاہدہ فی سبیل النفس" ہے۔

اپنی ذات کے لئے، اپنے نفس کے تقاضوں کے لئے مجاہدہ ہو رہا ہے۔ اور یہ بات کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ یہ مجاہدہ ہر آن ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہ STRUGGLE FOR EXISTANCE ہے۔ ہر ایک بھاگ دوڑ اور محنت و مشقت کر رہا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ وہ دوسرے سے آگے نکل جائے۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ــــ ہر ایک نے اپنا ایک ہدف معیّن کیا ہوا ہے اور ایک دوڑ لگی ہوئی ہے، ایک مسابقت جاری ہے۔

اسی طرح فرض کیجئے کہ کوئی شخص اپنا ہدف معیّن کرتا ہے۔ اپنی قوم کی سربلندی، اپنے وطن کی عزّت، اس کا وقار، دنیا میں اس کا نام روشن کرنا۔ اس قوم پرستانہ اور وطن پرستانہ جد وجہد اور محنت اور کوشش کا بھی قوموں اور ملکوں کے مابین مقابلہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں جو شخص بھی اپنی قوتوں توانائیوں اور اپنی صلاحیتوں کو صرف کرتا ہے وہ مجاہد ہے فی سبیل القوم یا مجاہد ہے فی سبیل الوطن۔ اسی طریقے سے کوئی شخص کسی نظریئے (IDEOLOGY) کو اختیار کرتا ہے وہ کسی نظریۂ حیات، کسی نظامِ زندگی کا قائل ہوگیا ہے اور سمجھتا ہے کہ انسان کے لئے وہ ایک بہتر طرزِ زندگی ہے، اس میں انسانی مسائل کا ایک بہتر، متوازن، زیادہ معتدل اور زیادہ منصفانہ حل ہے۔ اگر کسی طرح بھی اُسے اس بات کا یقین حاصل ہوگیا ہے اور اب وہ اپنی قوتیں صَرف کر رہا ہے، محنتیں کھپا رہا ہے، اوقات لگا رہا ہے، جسم وجان کی توانائیاں اس میں صَرف کر رہا ہے کہ وہ نظریہ دنیا میں پھیلے، اس نظریئے کو بالادستی حاصل ہو، اسی کا نظام دنیا میں عملاً قائم ہو تو اس کے لئے جو محنت ہو رہی ہے یہ اُس نظریئے کے لئے جہاد اور مجاہدہ ہے۔ اس لئے کہ اس سطح پر بھی کوئی خلا موجود نہیں ہے۔ مختلف نظریات ہیں جو باہم متصادم ہیں۔ ہر ایک اپنی بالادستی اور SUPREMACY کے لئے کوشاں ہے۔ اور ان کے ماننے والے اس کے لئے تن من دھن لگا رہے ہیں۔ اب جو شخص کسی نظریئے کو اختیار کرکے اس کے لئے محنت و مشقت کرتا ہے وہ اس نظریئے کا مجاہد ہے۔ گویا اس اعتبار سے ہم اس جد وجہد کو مجاہدہ فی سبیل الاشتراکیّۃ، مجاہدہ فی سبیل الوطن یا مجاہدہ فی سبیل الجمہوریۃ کہہ سکتے ہیں۔ تو یہ 'فی سبیل........' جو ہے جس کو انگریزی میں آپ 'IN THE CAUSE OF' سے تعبیر کریں گے، اس کا تعیّن بھی اس مجاہدے کے لئے لازم ہے۔

اب آپ دیکھئے کہ آغاز میں جو دو آیات تلاوت کی گئی ہیں ان دونوں میں 'مجاہدہ فی سبیل اللہ' کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ الحجرات میں فرمایا گیا ...... وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَ

اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ " انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور کھپائی اس میں اپنی جان بھی اور اپنے اموال بھی "۔ اسی طرح سورۃ البراءۃ میں فرمایا گیا : ...... وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ "...... اور اللہ کی راہ میں جہاد" اس سے پہلے بھی ہمارے اس منتخب نصاب میں یہی لفظ 'جہاد' استعمال ہو چکا ہے۔ تیسرے سبق میں سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع میں بیان ہوا کہ مشرک والدین اپنی اولاد کو اگر شرک پر مجبور کریں تو یہ ان کا مجاہدہ ہے۔ ایک مومن مجاہد فی سبیل التوحید ہے' مجاہد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے مشرک والدین بھی مجاہدہ کر رہے ہیں' وہ بھی کوشش کر رہے ہیں' وہ اپنی اولاد پہ دباؤ ڈال رہے ہیں ــ " وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا " یعنی اگر وہ دونوں تجھ سے جہاد کریں اس پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کے لئے تیرے پاس کوئی علمی دلیل نہیں' نہ عقل میں اس کے لئے کوئی بنیاد ہے ، نہ انسان کی فطرت اس کی تائید کرتی ہے' نہ کوئی اور علمی استدلال اس کے حق میں موجود ہے' نہ خدا کی اتاری ہوئی کسی کتاب میں اس کیلئے کوئی سند پائی جاتی ہے۔ تو اگر وہ تم سے مجاہدہ کریں تو تم ان کا کہنا نہ مانو !

معلوم ہوا کہ یوں نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جہاد صرف ایک بندۂ مومن ہی کرتا ہے بلکہ جہاد تو اس دنیا کا اصول ہے ۔ یہ دنیا قائم ہی جہاد پر ہے ۔ وہ لوگ جو مُردہ ہوں' جن میں سیرت و کردار نام کی کوئی شے موجود نہ ہو' جن میں درحقیقت کوئی خیال یا نظریئے کی بلندی اور پختگی پیدا ہی نہ ہوئی ہو' جو حیوانی سطح پر صرف حیوانی جبلّتوں کے تحت زندگی بسر کر رہے ہوں' بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ وہ زندگی بسر نہ کر رہے ہوں بلکہ زندگی انہیں بسر کر رہی ہو' ان کا معاملہ مختلف ہے۔

لیکن اگر فی الواقع کسی شخص کا اپنا کوئی خیال اور نظریہ ہے ، کسی بات کی حقانیت تک اُسے رسائی حاصل ہوئی ہے ، کسی چیز کی صحت پہ اس کے دل نے (صحیح یا غلط) گواہی دی ہے' اس کی عقل نے اُسے قبول کیا ہے' اُس شخص میں اگر سیرت و کردار نام کی کوئی شے ہے ، CHARACTER کی کوئی قوّت ہے ، اگر وہ بامروّت انسان ہے تو اس کے لئے لازم ہو گا کہ وہ اپنے اس نظریئے اور خیال کے لئے' جس کی حقانیت پر اس کے دل نے گواہی دی ہے اور جس کی صداقت کو اس کے ذہن اور دماغ نے قبول کیا ہے۔ اس میں مجاہدے کی کیفیت پیدا ہو' وہ اس کی نشر و اشاعت کے لئے اپنی امکانی سعی بروئے کار لائے' اس کے اعلان و اعتراف میں کسی بھی چیز سے خائف نہ ہو' یہاں تک کہ اگر جان دینے کا مرحلہ آئے تو اس کی خاطر جان قربان کر دے ۔ یہ درحقیقت کسی بھی انسان کے صاحبِ کردار ہونے کے

لئے شرطِ لازم ہے ۔

اس سے پہلے یہ بات عرض کی گئی تھی کہ سورۃ العصر میں جو چار چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ منطقی اعتبار سے انتہائی مربوط ہیں عقل و منطق کے اعتبار سے ہر انسان کا طرزِ عمل کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی لازماً یہ ہونا چاہیئے کہ پہلے وہ یہ دیکھے کہ حق کیا ہے، صحیح بات کیا ہے، انصاف کا نقطۂ نظر کونسا ہے! یہ تلاش اور تحقیق و تفتیش اس کے لئے لازم ہے ۔ اور جب اسے حق و صداقت معلوم ہو جائے تو اب اگر وہ صاحبِ کردار انسان ہے تو اسے قبول کرنا اس کے لئے لازم ہے پھر اس حق اور صداقت کی تعلیم و تبلیغ ، اس کا اعلان اور اس کے لئے اگر کوئی تکلیف اور مصیبت آتی ہے تو اسے برداشت کرنا، لوگوں کی ناراضگی اگر مول لینی پڑے تو اس کے لئے آمادہ رہنا، یہاں تک کہ اگر جان پر کھیل جانا پڑے تو اس سے گریز نہ کرنا اس کے صاحبِ کردار ہونے کا تقاضا ہے ۔ آخر سقراط نے زہر کا پیالہ کیوں پی لیا تھا؟ اس لئے کہ اس پر کچھ حقیقتیں اور صداقتیں منکشف ہوئی تھیں ـــــ اور جب اس کے سامنے دو متبادل (ALTERNATIVES) آئے کہ یا تو ان صداقتوں سے اعلانِ براءۃ کرو اور یا یہ زہر کا پیالہ پی جاؤ تو اس نے زہر کا پیالہ پی جانے کو ترجیح دی اور حقائق سے منہ موڑ لینے کو گوارا نہ کیا ۔ یہ بالکل دو اور دو چار کی طرح کی بات ہے کہ جس شے کی حقانیت پر انسان کے دل و دماغ نے گواہی دے دی اور جس صداقت پر اُسے یقین ہو گیا ، اب اس کی غیرت و حمیت اور شرافت و مروّت کا تقاضا ہے کہ وہ اس کی نشر و اشاعت ، اس کے اعلان و اعتراف اور اس کو دنیا میں غالب اور بالفعل رائج اور نافذ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے ۔ اس کے لئے جو کچھ اس کے بس میں ہو کر گزرے ۔ اگر وہ یہ کرتا ہے تو وہ واقعتاً ایک صاحبِ کردار انسان ہے ۔ دین کے اعتبار سے یہ تمام کیفیات جمع کر لی جائیں تو اُن کے لئے جامع عنوان ہوگا " مجاہدہ فی سبیل اللہ " ۔ جس نے اس کائنات کی اصل حقیقت کو پہچان لیا ، اللہ کو جان لیا ، اس کو مان لیا ، اب اللہ کے لئے اپنی جان اور مال کا کھپانا اس پر لازم ہے ۔ ایک انسان اگر کسی چھوٹی سی حقیقت کا سُراغ لگانے کے بعد اس حقیقت کے بیان میں اور اُس کے اعلان و اعتراف میں اپنی جان دینا گوارا کر سکتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک بندۂ مومن اللہ کو ماننے کے بعد اپنے گھر میں پاؤں پھیلا کر سوتا رہے اور اُسے اس بات کی فکر نہ ہو کہ اللہ کا دین غالب ہے یا مغلوب ـــــ !!

(جاری ہے !)

دعوت و تحریک

تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات سے دردمندانہ گزارش

از: سید تنظیم حسین

باسمہ تعالیٰ

۴ر جولائی ۸۹ء

گرامی قدر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
اللہ پاک آپ کو ہماری رہنمائی کے لئے تادیر سلامت رکھے۔

مجھے ماہ مئی میں علالت کی وجہ سے آپ کی تقاریر میں حاضری کا موقع نہ مل سکا۔ 'میثاق' بابت ماہ جون دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ شمارہ جس قدر بھی تقسیم ہو بہتر ہو گا۔ کوئی اہلِ خیر اس طرف توجہ دیں' اللہ پاک توفیق عطا کرے۔

آپ نے تبلیغی جماعت سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ تو اس سے قبل مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ نے بھی فرمایا تھا اور 'میثاق' کے ۸۵ء کے کسی ماہ میں شائع ہوا تھا لیکن جن حوالوں سے کہا تھا ان بزرگوں نے تصدیق نہیں کی تھی اس درمیان میں مولانا انتقال فرما گئے۔ اللہ پاک غریقِ رحمت کرے۔ اس درمیان میں مولانا سید ابوالحسن علی میاں مدظلہٗ کی ایک تقریر شائع ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ آپ تک پہنچ چکی ہو۔ میں اس کی ایک کاپی منسلک کر رہا ہوں۔ اور اس کے ساتھ اپنا ایک مضمون بھی۔ یہ مضمون بھی حضرت مولانا کو لکھنؤ بھیجا گیا تھا اور یہ تقریر اسی کے بعد کی ہے۔

میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ ازراہ کرم اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال کر اس پر بھی نظر ڈال لیں۔ یہ میں نے تبلیغی جماعت کے جملہ اربابِ اختیار کو روانہ کر دیا ہے۔

والسلام

کمترین
تنظیم حسین ناظم آباد، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدعائے ضروری الاظہار

راقم الحروف نے تبلیغی جماعت کی احیاء دین کے لئے پچاس سالہ جدوجہد کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کلیتہً تعمیری مقاصد کے تحت کیا ہے۔ نہ کسی کی تنقیص مقصود ہے اور نہ کسی پر تنقید۔ راقم الحروف معترف ہے کہ اس جماعت سے منسلک برادران ملت میں بیشتر حضرات بفضلہٖ تعالیٰ پاکیزہ کردار کے حامل ہیں۔ ان میں عجز و انکسار ہے۔ لیکن احیاء دین کے لئے ان خوبیوں کے ساتھ کچھ اور خوبیوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ اقبال نے کہا ہے ؎

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

۲..... اس مطالعہ کو دو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب برّصغیر کی تقسیم (قیام پاکستان) سے پہلے اور دوسرا باب قیام پاکستان کے بعد کے حالات سے متعلق ہے۔ یہ تقسیم اس لئے کی گئی ہے کہ برّصغیر کی تقسیم یعنی قیام پاکستان سے پاکستانی مسلمانوں کے حالات میں اتنی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ ہر دینی و سیاسی ادارے کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اپنے اغراض و مقاصد، طریقِ کار اور پروگرام پر بدلے ہوئے حالات کی روشنی میں نظرِ ثانی کرے اور اُس آرزو کی تکمیل میں تعاون کرے جس کی خاطر اللہ ربّ العزّت نے مملکت پاکستان عطا کی تھی۔

۳..... یہ ناچیز ایک بار پھر عرض کرتا ہے کہ حاشا و کلاّ اس مطالعہ سے مقصود کسی کی دل آزاری نہیں اور نہ جو کام ہو رہا ہے اس میں ذرا سی بھی رکاوٹ ڈالنا ہے اور نہ کسی کو اس جماعت کی طرف سے بدظن کرنا ہے بلکہ اس کا مقصد صرف تبلیغی جماعت کے ذمہ دار افراد کی توجہ ان اِمور کی طرف دلانا ہے جو ابھی تک قابلِ توجہ نہیں سمجھے گئے اور جن کو پروگرام میں شامل کئے بغیر کسی قابلِ امتیاز نتیجہ کی امید نہیں کی جا سکتی۔ دوسرے عام حالات میں بھی نتائج کی روشنی میں کوششوں کا مرحلہ وار جائزہ لینا ہر ادارے کے مؤثر کردار کے لئے لازمی ہے۔

وما علینا الاّ البلاغ

باب اوّل: تبلیغی جماعت قیام پاکستان سے پہلے

ا۔ تبلیغی جماعت کے قیام کا پس منظر

تبلیغی جماعت کا قیام ۱۹۳۴ء میں اس کیفیت میں عمل میں آیا کہ:

غدّارِ وطن اس کو بناتے تھے برہمن
انگریز سمجھتا تھا مسلماں کو گداگر[1]

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اُس وقت مسلمانوں کی حیثیت ایک آبرو باختہ قوم کی سی تھی کیونکہ ان کی بیشتر تحریکیں اور تنظیمیں اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام ہو کر صرف تاریخ کے صفحات کے لئے باقی رہ گئی تھیں۔ مختصراً تحریک ریشمی رومال ایک دار و رسن کی داستان بن کر ختم ہوئی، تحریک خلافت کو "گدائی" کا طعنہ سننا پڑا۔ حزب اللہ کی دعوت پر سر پھرے نہ ملے۔ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں نے مرے پہ سو دُرّے مارنے چاہے۔ "تبلیغ" والے مایوس ہو کر دست بردار[2] ہوگئے۔ وہ تو امّتِ محمدیؐ پر اللہ ربّ العزت کا کرم خاص ہوا ورنہ آج اذان کی آواز بھی نہ سنائی دیتی۔ اس کیفیت کو حفیظ جالندھری کی زبان سے سنئے:

تلاطم کی یہ طغیانی، حوادث کی یہ بےباکی
معاذ اللہ یہ وحشت، یہ منظر کی غضب ناکی
شبِ تاریک، بیمِ موج، گردابِ چنیں حائل
نہنگانِ اجل کی نیتیں بیداد پر مائل
غضب تھا اک شکستہ ناؤ کا منجدھار میں پھنسنا
وفا کی سسکیاں، قسمت کا رونا، موت کا ہنسنا
چلی جاتی تھی کشتی خشمگیں موجوں سے ٹکراتی
ابھرتی، بیٹھتی، دبتی، دباتی اور چکراتی
کہیں گرداب کے منہ پر، کہیں پُر شور دھارے پر
کبھی اِس کے اشارے پر، کبھی اُس کے اشارے پر

(شاہنامہ اسلام، جلد دوم)

بہرحال ۱۹۳۰ء میں نوّابوں، راجاؤں اور تن آسان مسلمانوں کی نیم مردہ جماعت یعنی مسلم لیگ نے الہ آباد کے سیشن میں برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ مملکت کا نظریہ پیش کیا جس کو کچھ دانایانِ قوم سمجھے، کچھ نہ سمجھے، کچھ نے سُنی اَن سُنی کر دی اور قوم ایک غیر یقینی

کی فضامیں سانس لیتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک بھی ایسا رہنما نہ تھا جس پر مسلمانوں کی اکثریت کو اعتماد ہو۔ ادھر انفس و آفاق پکار پکار کر کہہ رہے تھے

سلطانئ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

برصغیر میں حکومت الٰہیہ کے علمبردار ایسے خاموش ہوئے کہ "دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد"...... جہاد' عدالتی نظام' اقتصادی نظام وغیرہ سے متعلق ہزارہا صفحات پر پھیلی ہوئی بحثیں محض علمی ہو کر رہ گئیں اور اس تلخ حقیقت کا احساس ہوا کہ برصغیر میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے۔ لہٰذا مستقبل میں اکثریت کی فکرو نظر کا غلبہ ہونا لازمی ہے۔ اب نہ کسی غزنوی کے پیدا ہونے کے امکانات ہیں' نہ کسی غوری کے۔ سوچ کا زاویہ یکسر بدل گیا اور بڑے بڑے صاحب بصیرت بزرگ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے کہ برصغیر میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ صرف شعبہء عبادات تک ہی ہو سکتی ہے۔ کچھ نے یہ بات دل و دماغ کی حد تک رکھی اور ایک آہ سرد کے ساتھ قلم کا رخ بدل دیا۔ کچھ نے نیک نیتی کے ساتھ اللہ کا نام لے کر اس پر عمل بھی شروع کر دیا۔ اس پس منظر میں اس جماعت کی تشکیل ہوئی جو آج کل اطرافِ عالم میں تبلیغی جماعت کے نام سے معروف ہے۔ تفصیل ڈاکٹر ایوب قادری نے اس طرح بیان کی ہے[۳۴]۔

۲...... تبلیغی جماعت کے اغراض و مقاصد

"چونکہ مولانا محمد الیاسؒ سے میوات کے لوگوں کو گہرا تعلق تھا اس لئے مولانا کی صدارت میں ۲ر اگست ۱۹۳۴ء کو قصبہ نوح میں ایک پنچایت کی گئی جس میں میوات کے علاقے کے چودھری' میاں جی' ذیل دار' انعام دار' نمبردار' صوبیدار' منشی' سفید پوش اور دیگر سربر آوردہ لوگ جمع ہوئے' جن کی تعداد تقریباً ایک سو سات تھی۔ اس پنچایت میں سب سے پہلے اسلام کی اہمیت بیان کی گئی اور پھر عہد کیا گیا کہ اسلام کے ارکان کی پوری طور سے پابندی کی جائے۔ دین کی اشاعت و دعوت کا کام اجتماعی طور سے کیا جائے اور اس کام کے لئے پنچایتیں کی جائیں اور مندرجہ ذیل امور کی پابندی کا عہد کیا گیا؛

۱۔ کلمہ کا صحیح یاد کرنا۔

۲۔ نماز کی پابندی۔

۳۔ تعلیم حاصل کرنا اور اس کی اشاعت۔
۴۔ اسلامی شکل و صورت۔
۵۔ اسلامی رسوم کا اختیار کرنا اور رسومِ شرکیہ کا مٹانا۔
۶۔ عورتوں میں پردہ کی پابندی۔
۷۔ اسلامی طریقے سے نکاح کرنا۔
۸۔ عورتوں میں اسلامی لباس کا رواج۔
۹۔ اسلامی عقیدے سے نہ ہٹنا اور کسی غیر مذہب کو قبول نہ کرنا۔
۱۰۔ باہمی حقوق کی نگہداشت و حفاظت۔
۱۱۔ ہر جلسے اور اجتماع میں ذمہ دار حضرات کا شریک ہونا۔
۱۲۔ دینی تعلیم کے بغیر بچوں کو دنیوی تعلیم نہ دینا۔
۱۳۔ دین کی تبلیغ کے لئے محنت اور کوشش کرنا۔
۱۴۔ پاکی کا خیال رکھنا۔
۱۵۔ ایک دوسرے کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا۔" (صفحہ ۹۲۔ ۹۳)

طریق کار

ان امور کے علاوہ اس پنچایت میں یہ طے کیا گیا کہ تبلیغ صرف علماء کا کام نہیں ہے بلکہ سب مسلمانوں کا فریضہ ہے اور ہم سب اس کو انجام دیں۔ یہ ساری طے شدہ باتیں لکھی گئیں۔ پنچایت نامہ مرتب کیا گیا اور اس پر شرکاء کے دستخط ہوئے۔[۵۹] دراصل اس پنچایت سے تبلیغی جماعت کا باقاعدہ آغاز ہوا اور مندرجہ ذیل طریقہ کار وضع کیا گیا۔

(۱) اس دینی تحریک میں دین سیکھنے کا نبوی اور فطری طریقہ کار ضروری قرار دیا گیا۔ ملّت کے سارے طبقوں میں دینی دعوت کو عام کیا جائے اور سارے طبقوں کو اس کا حامل اور داعی بنانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) دین کے لئے علمی جدوجہد کرنا، نقل و حرکت اور سعی و عمل کو فروغ دیا جائے۔

(۳) دین کے لئے تعلیم و تعلّم اور خدمات و اشاعت کو مسلمانوں کی زندگی کا جزو قرار دیا گیا۔

(۴) دین کے لئے عارضی ترکِ وطن کو لازمی قرار دیا گیا۔ یعنی ہر مسلمان دین سیکھنے اور

سکھانے کے لئے اپنے مشاغل اور ماحول کو چند دن کے لئے چھوڑ کر دوسری جگہ جائے اور بہتر ماحول میں یکسوئی سے دین سیکھے۔

اس کے لئے چھ مندرجہ ذیل اصول ضروری قرار دیئے گئے۔

۱۔ کلمہ کی تصحیح۔
۲۔ نماز کی تصحیح۔
۳۔ علم اور ذکر کی تحصیل۔
۴۔ اِکرامِ مسلم۔
۵۔ تصحیح نیت۔
۶۔ تفریغِ وقت یعنی وقت فارغ کرنا۔

اس طریقہ کار اور اصولوں کے ساتھ حسب ذیل مطالبے رکھے گئے ؛

۱۔ ہر مہینے کچھ وقت میں اپنے ماحول میں ضروریاتِ دین (کلمہ و نماز) کی تبلیغ کی جائے اور باقاعدہ جماعت بنا کر ایک نظام کے تحت قرب وجوار میں گشت کیا جائے۔

۲۔ میواتی ہر مہینے میں تین دن کے لئے پانچ کوس کے حدود کے اندر دیہات میں جائیں اور شہری لوگ شہروں اور قریب کی آبادیوں میں جاکر تبلیغ کریں۔ اس سلسلے میں گشت و اجتماع کیا جائے اور دوسروں کو نکلنے پر آمادہ کیا جائے۔

۳۔ کم سے کم چار مہینے (تین چلّے) دین سیکھنے کی غرض سے اپنے گھر اور وطن سے نکلیں، اور ان مراکز میں جائیں جہاں دین اور علم زیادہ ہے۔

اس دعوتی سفر اور نقل و حرکت کے دنوں کا ایک مکمل نظام الاوقات مرتب کیا جائے جس کے تحت جماعتیں کام کریں۔ ایک وقت میں گشت، ایک وقت میں اجتماع اور ایک وقت میں ضروریات کا پورا کرنا ہو۔ اور یہ تمام کام ترتیب و تنظیم کے ساتھ ہونے چاہئیں۔ اس طرح تبلیغی جماعت ایک چلتی پھرتی خانقاہ، متحرک دینی مدرسہ اور ایک اخلاقی و دینی تربیت گاہ بن جاتی ہے[۳۵]

تبلیغ کے لئے کم سے کم دس آدمیوں کی جماعت نکلے۔ سب سے پہلے اپنے میں سے ایک شخص کو امیر بنالے۔ پھر سب مسجد میں جمع ہوں، اگر وقت ہو تو وضو کر کے دو رکعت نماز نفل ادا کرلی جائے (لیکن اس کا التزام نہ کیا جائے)۔ سب مل کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کریں، نصرت و کامیابی، تائیدِ خداوندی اور توفیقِ الٰہی کے طلب گار ہوں اور اپنے ثبات و

استقلال کے لئے دعا مانگیں۔ دعا کے بعد سکون و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ حق تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے روانہ ہوں۔ فضول باتیں نہ کریں۔ جب اس جگہ پہنچیں جہاں تبلیغ کرنی ہے تو پھر سب مل کر حق تعالیٰ سے دعا مانگیں اور سارے محلے یا گاؤں میں گشت کر کے لوگوں کو جمع کریں۔ اوّل ان کو نماز پڑھوائیں اور پھر ان امور کی پابندی کا عہد لیں اور اس طریقِ کار پر کاربند کرنے کے لئے آمادہ کریں۔

جو لوگ اس کام کو کرنے کے لئے تیار ہوں اُن کی ایک جماعت بنا دی جائے اور ان میں سے ایک شخص کو ان کا امیر مقرر کر دیا جائے اور اپنی نگرانی میں ان سے کام شروع کرایا جائے، اور پھر ان کے کام کی نگرانی کی جائے۔ ہر تبلیغ کرنے والے کو اپنے امیر کی اطاعت کرنی چاہئے اور امیر کو چاہئے کہ اپنے ساتھیوں کی خدمت گزاری، راحت رسانی، ہمت افزائی اور ہمدردی میں کمی نہ کرے اور قابلِ مشورہ باتوں میں سے مشورہ لے کر اس کے موافق عمل کرے[۱]

(۱) کھانے پینے اور کرائے وغیرہ کا خرچ خود برداشت کرے، اگر گنجائش اور وسعت ہو تو اپنے نادار ساتھیوں پر بھی خرچ کرے۔

(۲) اس مقدس کام کے کرنے والوں اور ساتھیوں کی خدمت گزاری و ہمت افزائی کو اپنی سعادت سمجھے اور اُن کے ادب و احترام میں کمی نہ کرے۔

(۳) عام مسلمانوں کے ساتھ نہایت تواضع اور انکسار کا برتاؤ رکھے۔ بات کرنے میں نرم لہجہ اور تواضع کا پہلو اختیار کرے۔ کسی مسلمان کو حقارت اور نفرت کی نظر سے نہ دیکھے، بالخصوص علمائے دین کی عزت اور عظمت میں کوتاہی نہ کرے۔ علمائے حق کی توہین دین کی توہین کے مترادف ہے، جو خدا کے غیظ و غضب کا موجب ہے۔

(۴) فرصت کے خالی وقت کو جھوٹ، غیبت، لڑائی، فساد، کھیل تماشے کی بجائے مذہبی کتابوں کے پڑھنے اور مذہب کے پابند لوگوں کے پاس بیٹھنے میں گزارے، جس سے خدا اور رسولؐ کی باتیں معلوم ہوں۔ ایامِ تبلیغ میں اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کرے۔

ا۔ تعلیم جو معلّم جماعت کی زیرِ نگرانی ہو۔

ب۔ ذکر، تلاوتِ قرآن اور دیگر اوراد میں مشغول ہونا۔

ج۔ دوسروں کو اس کام کی ترغیب دینا اور اس کام کا مقصد سمجھانا جو امیرِ جماعت کی اجازت سے اس کی ہدایت کے موافق ہو۔

(۵) جائز طریقوں سے حلال روزی حاصل کرے اور کفایت شعاری کے ساتھ اس کو

خرچ کرے، اپنے اہل و عیال اور دیگر اقرباء کے شرعی حقوق ادا کرے۔

(٦) کسی نزاعی مسئلے اور فروعی بات کو نہ چھیڑے بلکہ صرف اصولِ ایمان کی طرف دعوت دے اور ارکانِ اسلام کی تبلیغ کرے۔

(٧) اپنے افعال و اقوال کو خلوصِ نیت کے ساتھ مزین اور آراستہ کرے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی موجبِ خیر و برکت اور باعثِ ثمراتِ حسنہ ہوتا ہے اور بغیر اخلاص کے نہ دنیا میں کوئی ثمرہ ملتا ہے اور نہ آخرت میں اجر و ثواب ہوتا ہے۔[۷]

٣۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی اہم وضاحت

ایک موقع پر مولانا الیاس نے فرمایا[۸] کہ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کرنا ہے۔ قافلوں کی چلت پھرت اور تبلیغی گشت اس کا ابتدائی ذریعہ ہیں۔ اسی طرح کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے نصاب کی الف ب ت ہے۔ ہمارے کارکن ہر جگہ پہنچ کر اپنی جدوجہد سے ایک حرکت و بیداری پیدا کر دیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے مقامی اہلِ دین سے وابستہ کر دیں اور وہاں کے علماء و صلحاء کو عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں۔

اس سلسلے میں مولانا نے ایک نہایت اہم نکتہ کی طرف کارکنوں کی توجہ مبذول کرائی ہے کہ: ۹۔

> "ہماری تحریک اور اسلامی تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے اور نہ کسی فتنہ و فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے۔ آپ لوگوں نے بدعتی کے لفظ سے بعض جگہ کے لوگوں کو یاد کیا ہے۔ آئندہ سے ایسے الفاظ سے احتراز چاہئے جو اشتعال انگیز اور فتنہ خیز ہوں، بلکہ اس قسم کے مبہم الفاظ لکھنے چاہئے جس سے کسی خاص فرقے یا جماعت پر طعن نہ ہو۔ بہرکیف تحریر و تقریر میں نہ ایسے الفاظ نکلیں جن سے اندیشہ و خطرہ ہو فساد کا، اور نہ ایسے خیالات کا اظہار ہو جن سے بدگمانی اور بدظنی بڑھے۔ سارے مسلمان اپنے ہی بھائی ہیں، جب نرمی اور طریقے سے لایا جائے گا تو خود ہی حق پر آجائیں گے"۔

مولانا نے تعلیم و تذکیر پر بڑا زور دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:[۱۰]

> "ہماری اس دینی دعوت میں کام کرنے والے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینی چاہئے کہ تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہنچانا اور بتانا

ہی نہیں ہے بلکہ اس ذریعہ سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم و تربیت بھی مقصود ہے۔
لہٰذا نکلنے کے زمانے میں علم اور ذکر میں مشغولیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے۔
علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں ہے"۔

نصاب

تربیت و تذکیر کے لئے ایک مختصر سا نصاب بھی مرتب کیا گیا جس میں شروع میں پانچ کتابیں (۱) جزاء الاعمال (۲) راہِ نجات (۳) فضائلِ نماز (۴) حکایاتِ صحابہؓ (۵) چہل حدیث (مرتّبہ مولانا محمد ذکریا شیخ الحدیث) شامل تھیں۔ بعد میں فضائلِ قرآن، فضائلِ ذکر اور رسائلِ تبلیغ کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔[11]

ان کتابوں کے علاوہ برکاتِ ذکر، فضائلِ تبلیغ، حیٰوۃ المسلمین، تعلیم الاسلام (مرتّبہ مفتی کفایت اللہ دہلوی) اور علم الفقہ (مرتّبہ مولانا عبدالشکور لکھنوی) کی بھی سفارش کی گئی۔ اس طرح سیرتِ نبویؐ اور صحابۂ کرامؓ کے حالات پر بھی کتابیں پڑھی جائیں اور اس بارے میں "حکایاتِ صحابہؓ" کی نشان دہی کی گئی۔[12]

تبلیغی جماعت کا متذکرہ بالا لائحہ عمل اسلامی تعلیمات کے صرف شعبہء عبادت تک محدود ہے جس کی آزادی برطانوی دورِ حکومت میں تھی اور توقع کی جا سکتی تھی کہ آنے والی ہندو اکثریت کی سیکولر حکومت میں بھی رہے گی۔ لیکن حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ پروگرام کی اس نوعیت سے پوری طرح آگاہ تھے کہ:

"ایک موقع پر مولانا الیاس نے فرمایا[13] کہ ہماری اس تحریک کا مقصد اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کرنا ہے۔ قافلوں کی چلت پھرت اور تبلیغی گشت اس کا ابتدائی ذریعہ ہیں۔ اسی طرح کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے نصاب کی الف ب ت ہے۔ ہمارے کارکن ہر جگہ پہنچ کر اپنی جدوجہد سے ایک حرکت و بیداری پیدا کر دیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے مقامی اہلِ دین سے وابستہ کر دیں اور وہاں کے علماء و صلحاء کو عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں"۔

مندرجہ بالا سطور سے بخوبی واضح ہے کہ یہ بات نہ تھی کہ حضرت مولاناؒ اس پروگرام کو حرفِ آخر سمجھتے تھے، بلکہ یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ذہن میں یہ خیال لازمی

طور سے رہا ہو گا کہ جیسے جیسے تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوتی جائے گی ویسے ویسے لائحہ عمل میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ یا اگر دیگر علماء و صلحاء کسی اور شعبہ میں قدم بڑھائیں گے تو یہ جماعت ایک ہراول دستہ کا کام کرے گی تاکہ امت بتدریج اسلام کے مکمل علمی و عملی نظام سے وابستہ ہو جائے۔ (جاری ہے)

۱۔ اقبال، تصرف کے ساتھ ۲۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو
۳۔ تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ ۴۔ سوانح حضرت مولانا محمد یوسف" کاندھلوی ص ۱۴۱
۵۔ سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی، ص ۱۴۲۔ ۱۴۳
۶-۷۔ "پیام عمل" از مولوی احتشام الحسن (بریلی) ۱۳۶۴ھ، صفحات ۱۶ اور ۱۷
۸۔ ملفوظات مولانا محمد الیاس" مرتبہ محمد منظور نعمانی، صفحہ ۱۳۱
۹۔ مکاتیب مولانا محمد الیاس" مرتبہ مولانا ابوالحسن علی ندوی، ص ۱۴۲۔ ۱۴۳
۱۰۔ ملفوظات، ص ۱۱۰ ۱۱۔ مکاتیب ص ۲۸، ۵۳، ۹۲
۱۲۔ نصرت دین و اصلاح المسلمین کی ایک کوشش از مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ ص ۲۳۔
۱۳۔ ملفوظات مولانا محمد الیاس" مرتبہ محمد منظور نعمانی مدظلہ، ص ۱۳۱

بقیہ "عرضِ احوال"

میں اجتناب کیا جاتا ہے۔ یوں بھی اس جماعت کے بارے میں ہماری رائے ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ تبلیغِ دین کے سلسلے میں یہ جماعت بحیثیتِ مجموعی نہایت مفید خدمت انجام دے رہی ہے گو ہماری دانست میں بعض پہلوؤں سے اُن کا طریقِ تبلیغ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ دعوت سے مختلف ہے اور اُن کے تصور فرائضِ دینی کی یہ محدودیت بھی ہمیں کھٹکتی ہے کہ غلبہ و اقامتِ دین کا مرحلہ بظاہر اُن کے پروگرام میں شامل نظر نہیں آتا، تاہم اُن کے کام اور محنت کو ہم بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں اور ان کی خدماتِ دینی کے معترف ہیں۔ تنظیم حسین صاحب کا، جو کراچی کے اہلِ قلم حضرات میں سے ہیں، زیرِ نظر مقالہ چونکہ ایک فکر انگیز تجزیے پر مشتمل ہے اور اس تحریر کے بین السطور چونکہ دلسوزی اور خیر خواہی کے جذبات جھلکتے نظر آتے ہیں لہٰذا نصح و خیر خواہی کے جذبے کے تحت ہی اسے شائع کیا جا رہا ہے۔

اس شمارے کی اشاعت میں متعدد اسباب کی بنا پر تاخیر ہوگئی ہے جس کے لیے ہم قارئین کرام سے معذرت کے خواستگار ہیں۔ ہماری کوشش ہوگی کہ نومبر کے شمارے کی اشاعت میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ وما توفیقی الّا باللہ

اِس دَور کے عظیم فتنے 'عریانی و فحاشی' کے خلاف
تنظیم اسلامی کراچی کا ایک پُر امن احتجاجی مظاہرہ

مرتب: رحیم کاشفی

ابھی خطیبِ مسجد نے اپنی جمعہ کی تقریر شروع نہ کی تھی کہ چند دیوانگانِ شوق ملحقہ فٹ پاتھ پر دروازوں کو چھوڑ کر پورے ڈسپلن کے ساتھ پوزیشن سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔ وہ ایسے 'خود کار ہتھیاروں' سے مسلح تھے کہ ان کی زد میں آنے والا جسم و روح کا رشتہ توڑے بغیر ایک ایسے جہانِ نو کا متوالا بن جاتا ہے جہاں "شہادت" ہی سب سے بڑی آرزو اور تمنا بن جاتی ہے اور حقیقتِ ایمان سے دل کو منور کرنے کے بعد شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنے کے لئے بیتاب و بے چین ہو جاتا ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں پیدل اور سوار افراد کا تانتا بندھ گیا جو صاف ستھرے لباس زیب تن کئے معبودِ حقیقی کے حضور سر بسجود ہونے کے لئے جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ جب وہ مسجد کے قریب پہنچتے تو ٹھٹھک جاتے کہ ایسا نظارہ شاید انہوں نے پہلے نہ دیکھا ہو گا۔ فٹ پاتھ پر براجمان "کافرانِ ہندی" جن کے دل میں درود و سلام' لب پر درود و سلام تھا' اپنے رب سے پر امید تھے جو کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشنے والا اور دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ یہ لوگ اسلامی انقلابی جماعت تنظیم اسلامی پاکستان کے رفقاء تھے جو ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر اپنی تحریک کو آگے بڑھانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ جمہوریت کی تائید اور اسلامی انقلاب کے لئے جدوجہد تنظیم کا سوچا سمجھا لائحہ عمل ہے۔

آج کل ملکِ خداداد پاکستان میں بڑی ہنگامہ خیز "سیاست کاری" کا دور دورہ ہے۔ لاکھوں کے جلسے ہیں اور ہزاروں کے جلوس' کسی میلے کا سماں ہے' لاکھوں کا خرچہ ہے' ہزاروں کا صرفہ ہے۔ اصولوں کے نام پر ذاتی انا کی تسکین ہو رہی ہے۔ ع "ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے"۔ رہنمایانِ قوم ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ہر اوچھا ہتھکنڈہ استعمال کرنے پر اتر آئے ہیں۔ عزت و شرافت کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں اور برسرِ عام فحش کلامی سے بھی نہیں چوکا جاتا۔ مغرب د "مشرق" سے در آمدہ کلچر کی ماری ہوئی قوم کے 'اکابرین' بھی آخر کب تک اس کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ دوسری طرف بارود کی گرم بازاری ہے' نونہالانِ قوم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ کوئی دن نہیں جاتا کہ قتل و غارت کی خبر نہ چھپتی ہو۔ درس گاہوں میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے'

کسی مقتل کا نقشہ ہے۔ کتابوں کی جگہ کلاشنکوف نے لے لی ہے ع "ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے"۔ غرضیکہ ہر طرف افراتفری کا عالم ہے' عجب طوفان بدتمیزی ہے' ایسے میں مرے کو مارے شاہ مدار کے مصداق "میڈیا" رہی سہی کسر پوری کرنے سے ابھی بھی باز نہیں آرہا۔ اخلاق باختگی' عریانی و فحاشی' دہشت گردی اور قتل و غارت گری کو فروغ دینے میں ملوّث زرد صحافت خدا کی پکڑ سے بے خوف ہو کر قوم کو ایسا زہر دے رہی ہے جس کے سنگین اثرات ابھی سے ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ جو کام انگریز اپنے ڈیڑھ سو سالہ دورِ حکمرانی میں نہ کر سکا اُسے ضمیر فروشانِ قوم نے نصف صدی سے بھی کم عرصہ میں کر کے دکھا دیا۔ ع "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"۔

میں اُن کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں　　جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

اگر اب بھی نفسانیت کے اس منہ زور گھوڑے کو کھونٹے سے باندھنے کی کوشش نہ کی گئی تو عجب نہیں کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہ جاسکے۔ تشویش ناک صورتِ حال کے پیش نظر ایک منظّم اور مربوط تحریک کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے تنظیم اسلامی نے ایک قدم آگے بڑھایا ہے اور پورے ملک میں پر امن اور خاموش مظاہروں کے ذریعے نہایت دردمندی سے فرنگی بتکدوں میں کھوئے ہوؤں کو واپس لانے اور مسجدوں کے محرابوں میں استراحت فرمانے والوں کو جگانے کی ادنیٰ سی جسارت کی ہے کہ صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔

اسی سلسلے میں جمعہ ۲۲ ستمبر کو تنظیم اسلامی (کراچی جنوبی) کے زیر اہتمام مسجد خضرا کے سامنے خاموش و پر وقار مظاہرہ کیا گیا۔ مسجد خضرا' سندھ ہائی کورٹ کے مشرقی گیٹ سے باہر ایک وسیع جامع مسجد ہے جہاں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد بڑی تعداد میں نماز جمعہ ادا کرنے آتے ہیں۔ مظاہرے دراصل عوام کی توجہ مبذول کرانے کا ایک ذریعہ ہیں جس میں شائستگی اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ بھی از حد ضروری ہے ع "شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور" لیکن جب صرف شکوہ ہی نہیں دعوت و تبلیغ اور نہی عن المنکر باللّسان کا معاملہ ہو تو...... شعور و آگہی' علم و عرفان' فراست و تدبّر اور خلوص و محبت کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کے جذبہ کی اہمیت و ضرورت کئی چند ہو جاتی ہے۔ ع "اخوت کا بیاں ہو جا' محبت کی زباں ہو جا"۔ کی تفسیر یہی ہے۔

تیز دھوپ میں کھڑے مظاہرین کی تعداد تیس (۳۰) سے زیادہ نہیں تھی جو ع "کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے" کی تصویر بنے بوڑھے' جوانوں اور چند بچوں پر مشتمل تھی۔ وہ اظہارِ مدّعا کے لئے اپنے ہاتھوں میں پلے کارڈز اور بینرز تھامے ہوئے تھے جن پر قرآنی آیات اور عریانی و فحاشی کے طوفان سے بچاؤ کے لئے مختلف عبارات درج تھیں۔ مسجد خضرا میں جمعہ کی پہلی اذان تقریر کے بعد ہوتی ہے اور سنتیں ادا کرنے کے بعد اذانِ خطبہ دی جاتی ہے۔ لہٰذا مظاہرہ ابتدائً پہلی اذان کے شروع ہونے تک جاری رہا۔ اذان ہوتے ہی مظاہرین نے بینرز لپیٹے' کتبے مسجد کی دیوار سے لگائے اور نماز کے لئے مسجد میں داخل ہو گئے۔

بعد ازیں فرض نماز سے فارغ ہو کر پھر سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنے کھڑے ہو گئے۔ اب اُن کا رخ مسجد کی طرف تھا تاکہ مسجد سے نکلتے ہوئے نمازی حضرات اپنے گھروں اور احباب میں بھی اس پیغام کو پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔ اس موقع پر "شام الھدیٰ" کا پمفلٹ بھی تقسیم کیا گیا جس کا عنوان تھا "امت مسلمہ کا ماضی، حال اور مستقبل"۔

نمازِ جمعہ میں شرکت کرنے والوں کی کثیر تعداد تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل تھی۔ نماز کے لئے آنے والے ایک شخص نے مظاہرہ کے انداز کو دیکھ کر استعجابی انداز میں زور سے کہا "واہ ضرورت آج کل ایسے ہی مظاہروں کی ہے"۔ اسی طرح نماز سے واپسی پر ایک تعلیم یافتہ اسمارٹ نوجوان نے کسی ذہنی الجھن کے تحت استفسار کیا کہ آیا مظاہرہ خاتون وزیر اعظم کے خلاف ہے؟ لیکن جب بتایا گیا کہ نہیں، بلکہ معاشرہ میں سرایت پذیر غیر اسلامی و غیر اخلاقی افعال کے سدّباب کے لئے ہے، خاتون وزیر اعظم تو معاشرہ کا عکس ہے، تو اس کا چہرہ کھل اٹھا اور ع "میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا" کی تصویر بنا وہ نوجوان سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔ جب نمازیوں کا مجمع چھٹ گیا تو مظاہرین اہلِ گلشن کو شہیدِ نغمۂ مستانہ کرنے کے بعد خود بھی بقیہ نماز کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔ حسبِ دستور اخبارات کی طرف سے سرد مہری کا برتاؤ کیا گیا۔

اک طرز تغافل ہے سو وہ اُن کو مبارک
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

کاش یقینِ کامل پیدا ہو جائے کہ ستر و حجاب کے شرعی احکام ہی خواتین کی نسوانیّت اور عزت و وقار کو کامل تحفظ دیتے ہیں اور اسلام کے "حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں" خاندانی نظام کے تحت خواتین کو معاشی کفالت کی پوری ضمانت حاصل ہوتی ہے، تاکہ وہ آئندہ نسل کی تربیت کے فرائض بہترین طریقے پر سر انجام دے سکیں لیکن آج طاغوتی طاقتیں مسلم معاشرہ سے اسی ایمان و یقین کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے تمام وسائل بروئے کار لا رہی ہیں۔ انہیں بخوبی علم ہے کہ اگر ایک دفعہ مسلمانوں کا خاندانی و عائلی نظام درہم برہم کر دیا جائے تو اُن کی تباہی کے لئے لمبے چوڑے اقدام کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہ جیتے جی بے گور و کفن میت ہوں گے۔

حیف صد حیف کہ ملّت، دشمنانِ دینِ حق کے پھندوں میں پھنستی ہی چلی جا رہی ہے۔ دولت کی ہوس نے آنکھوں پر غفلت کا پردہ ڈال دیا ہے۔ اس حمام میں خواص و عوام سبھی ننگے ہیں۔ الا ماشاء اللہ ؎

میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ !
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

دراصل انسان دولت کی محبت میں بڑا شدید ہے۔ اور آخرت کی زندگی پر دنیا کی فانی زندگی کو ترجیح دے بیٹھتا ہے۔ "(لوگو) بہتات کی حرص نے تمہیں (آخرت سے) غافل کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ (مر کر) تم قبروں میں پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں، تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں پھر تمہیں جلد معلوم ہو

جائے گا۔ ہاں ہاں 'اگر یقینی طور پر جان لیتے کہ تم ضرور دوزخ سے دوچار ہو گے (تو تمہاری روش یہ نہ ہوتی) پھر (سن لو کہ ایک دن) تم بالکل یقین کے ساتھ اُسے دیکھ لو گے۔ پھر (یہ بھی سن لو کہ) اُس دن (دنیا کی) نعمتوں کے بارے میں تم سے باز پرس (بھی) ضرور ہو گی (کہ کہاں تک تم نے ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا)۔"

(سورۃ التکاثر) توبہ کا دروازہ موت آنے سے قبل تک کھلا ہوا ہے اور بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے آخرت میں بڑی کامیابی ہے۔

دورانِ مظاہرہ تنظیم اسلامی (حلقہ کراچی جنوبی) کے امیر محترم شیخ جمیل الرحمٰن پر بڑی سنجیدگی طاری تھی۔ بار بار گشت کر کے تھک جاتے تو مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھ جاتے 'دعاو مناجات میں مشغول نحیف و کمزور سے شیخ صاحب زبانِ حال سے کہتے نظر آتے تھے ع "مرا نورِ بصیرت عام کر دے"۔

ماہنامہ 'میثاق' کے ۶۸-۱۹۶۷ء کے اداریوں پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

اسلام اور پاکستان

جسے بجا طور پر تحریکِ پاکستان کے تاریخی و سیاسی پس منظر اور اسلامیانِ پاکستان کے تہذیبی و ثقافتی پس منظر پر ایک جامع و مربوط دستاویز کی حیثیت حاصل ہے

نیا ایڈیشن نئی خوبصورت کتابت اور دیدہ زیب طباعت کے ساتھ شائع ہو گیا ہے

قیمت: اعلیٰ ایڈیشن (مجلّد) -/۴۰ روپے ، اشاعتِ عام -/۱۵ روپے
شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن '۳۶-کے ماڈل ٹاؤن ، لاہور

اخباری صنعت بدکاری کو فروغ دے رہی ہے!

روزنامہ "جنگ" کے بارے میں مشہور ادیب و ناقد عاشق حسین بٹالوی مرحوم کے تاثرات

"میں علامہ مشرقی کا مداح نہیں ہوں۔ آپ ان کے پیرو ہیں اور ان کی مطبوعات کی اشاعت کے مہتمم بھی۔ میں مشرقی کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ گھنٹوں ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کی ہیں۔ میں نے اس زمانے میں بھی ان کو دیکھا تھا جب گورے چٹے' خوبصورت آدمی تھے' سوٹ پہنتے تھے' ڈاڑھی منڈاتے تھے۔ ان کی بہن ہمارے دوست مولانا صلاح الدین احمد کی بڑی بھاوج تھیں۔ میں مشرقی کی ایک خوبی کا قائل ہوں۔ پاکستان میں ہندوؤں کی متروکہ جائیداد کی لوٹ مچی' کروڑوں نہیں اربوں کا مال ہضم ہوا۔ جھوٹے کلیم داخل ہوئے' بڑے بڑوں کے ایمان بکے' لیکن مشرقی کا دامن اس وقت بھی پاک رہا۔ انہوں نے نہ چندہ جمع کیا اور نہ چندہ کھایا' جو کچھ مسلم لیگی لیڈروں نے اس بارے میں کیا ہے' اسے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ آپ اسلام آباد میں بیٹھے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پہلے لاکھوں' پھر کروڑوں کی رشوت چلتی تھی اور اب معاملہ اربوں تک پہنچ گیا ہے' اس کے باوجود اسلام زندہ باد کا نعرہ لگ رہا ہے۔ میر خلیل الرحمٰن سولہ سنگار سے آراستہ' حسین و جمیل عورتوں کی تصویریں اخبار "جنگ" میں چھاپ چھاپ کر بدترین قسم کی پراسٹی ٹیوشن (PROSTITUTION) کر رہے ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں"۔

(ماخوذ از ہفت روزہ "زندگی")

تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ۲۰ تا ۲۷ اکتوبر ۸۹ء

تربیت گاہ برائے منتظم رفقاء

اس میں وہ رفقاء شریک ہوں گے جنہوں نے مبتدی تربیتی نصاب مکمل کر لیا ہو

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

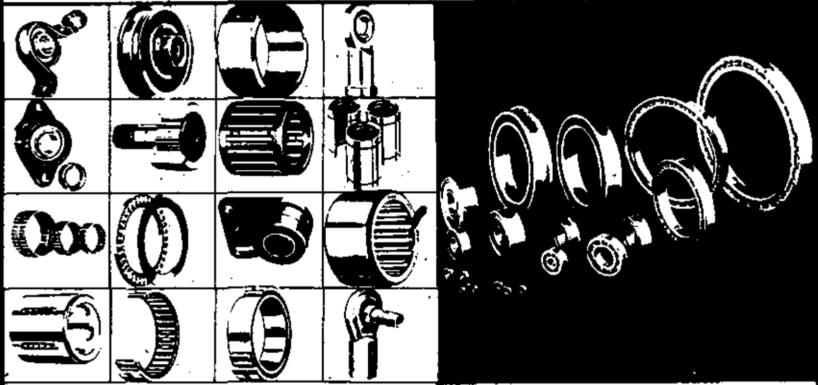

INA PRODUCTS

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

DISTRIBUTOR

ROD KBC EZO

STOCKIST

NACHI Koyo NSK INA SKF NTN

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَآ اِنۡ نَّسِیۡنَآ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا

اے ہمارے رب، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو (ان گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما۔

رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَآ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَہٗ

اور اے ہمارے رب، ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے اُن لوگوں پر ڈالا

عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا

جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ

اور اے ہمارے رب، ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوا جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔

وَاعۡفُ عَنَّا وَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا

اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما، اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ؀

تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر دے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ
پرانی انارکلی لاہور

ADARTS JOS-1 88

رُودادِ سفر

بلادِ مغرب میں چالیس روز

امیر تنظیم اسلامی کے سفر یورپ' امریکہ اور سعودی عرب کی تفصیلی رُوداد

مرتب: قمر سعید قریشی

سفر وسیلۂ ظفر ہے اور یوں بھی ہر شخص کسی نہ کسی مقصد کے لئے روزانہ ہی سفر کرتا ہے مختصر ہو یا طویل' مگر مقصد کی نسبت سے بعض سفر عظمت کی انتہائی بلندیوں کو جا چھوتے ہیں۔

دعوت رجوع الی القرآن کے لئے سفر جس میں ذاتی مقاصد کی آلائش شامل نہ ہو یقیناً ایسے ہی مبارک اسفار میں سے ہے۔ تنظیم اسلامی کے امیر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ دورۂ امریکہ و یورپ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور عظمت رفتہ کی بازیافت کے لئے جستجو کا حصہ تھا جس کے لئے انہوں نے اپنی صلاحیتیں وقف کر رکھی ہیں۔ امیر محترم کی زندگی خود ان کے بقول 'انسانم آرزوست' کی تفسیر پر مشتمل ہے یعنی وہی بات جسے علامہ اقبال نے "میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو" قرار دیا ہے یا ؎

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہی تڑپ اور جذبہ ہے جو انہیں مشرق و مغرب کی بادیہ پیمائی پر مجبور کر دیتا ہے۔ ع

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں

اور اللہ کرے کہ وہ دن بھی آئے کہ افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اسلام کا جھنڈا لئے کشاں کشاں جانا نصیب ہو جائے۔

دورہ امریکہ کا موجود پروگرام دو سال بعد ترتیب پایا ہے گذشتہ دورہ ہی کے موقع پر ایک ہفت روزہ تربیتی کیمپ کی تجویز تھی اور ISNA کے کسی سالانہ اجتماع پر امیر محترم کی شرکت کے لئے بھی مقامی ذمہ دار حضرات مُصر تھے لہذا کافی انتظار کے بعد اگست ۸۹ کے ان دنوں میں یہ سفر ممکن ہو سکا۔ طویل مسافت طے کر کے جب تین افراد پر مشتمل یہ چھوٹا سا قافلہ شمالی امریکہ میں Detroit کے مقام پر اپنے ابتدائی مستقر پہنچا تو پھر مزید تقاضے شروع ہوئے۔

ISNA کی چھبیسویں سالانہ کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ بھی آ گیا۔ شکاگو' نیو جرسی' سائراکیوس وغیرہ کے پروگرام اوپر نیچے ترتیب پاتے چلے گئے اور یوں یہ سفری دورانیہ طویل سے طویل ہو

کر پانچ ہفتوں سے بھی زائد پر پھیل گیا۔

جاتے ہوئے پیرس میں قیام تو جناب اعجاز لطیف صاحب کے خلوص و محبت کا نتیجہ تھا ہی واپسی پر لندن میں قیام بھی برطانیہ کے احباب کی چاہت اور فرمائش سے طے ہو گیا۔ سعودی عرب سے فضائی سفر کر کے آدمی ہزاروں میل دور چلا جائے اور رک کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں حاضر نہ ہو یہ کسی صاحب دل مسلمان کے لئے ممکن نہیں ہے (الا یہ کہ کوئی مجبوری لاحق ہو) لہذا سعودی عرب کا پروگرام بھی شامل فہرست ہو گیا۔ ان مقامات مقدسہ کے قیام کے دوران بھی پروگرام طے شدہ شیڈول سے کافی پھیل گیا۔

امیر محترم جہاں جہاں تشریف لے گئے وہاں رفقاء و احباب نے جس خلوص و محبت اور ایثار و وفا سے استقبال کیا' پروگرام میں شرکت فرمائی اور اس کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت فرمائیں ان سب کا اجر اصلاً اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے اس لئے کہ وہی علیم و خبیر ہے اور دلوں کے حالات کا صحیح صحیح اندازہ بھی اسی کو ہے۔ اس رپورٹ میں سب احباب کا تذکرہ مشکل بھی ہے اور ناممکن بھی لہذا اگر کسی رفیق یا دوست کا نام اس فہرست سے سہواً رہ جائے وہ یہ خیال نہ فرمائیں کہ ان کا نام اللہ تعالیٰ کی فہرست سے بھی خارج ہو گیا اور وہ اجر سے محروم کر دیئے گئے بلکہ وہ ہماری خطا اور سہو پر معاف فرمادیں اور جن حضرات کے نام یاد رہ گئے اور تذکرہ میں آگئے وہ دراصل دوسروں کے لئے شوق بڑھانے اور جذبے کو مہمیز دینے کے لئے ہیں ورنہ ان کے خلوص و اخلاص بھی اجر صرف یہی نہیں ہے کہ اُن کے نام یہاں چھپ گئے بلکہ اصل اجر تو اُن کا بھی آسمانوں پر محفوظ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین متین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق بخشے (آمین)

محترم ڈاکٹر صاحب کے حالیہ دورۂ امریکہ کا ایک نمایاں قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس بار محترم ڈاکٹر صاحب اپنے دورے سے بہت مطمئن اور پر امید واپس لوٹے ہیں۔ پچھلے سالوں میں ان کی کیفیت بالعموم اس کے برعکس ہوتی تھی۔ وہ امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں بالخصوص وہاں اسلامی تحریکوں کی کارکردگی سے مایوس لوٹتے تھے اور ان کا مشاہدہ یہ تھا کہ امریکہ میں اسلام کے نام پر جو کام بھی ہو رہا ہے وہ محض مدافعانہ نوعیت کا ہے' دعوتی و تحریکی رنگ اس میں مفقود ہے۔ لیکن اس بار ڈاکٹر صاحب کا تاثر مختلف ہے۔ انہوں نے وہاں اسلام کے مستقبل کے حوالے سے بعض خوشگوار تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا ہے اور یہی اُن کے اطمینان کا اصل سبب ہے۔ امریکہ سے واپسی پر مسجد دارالسلام میں اپنے خطاب جمعہ میں اس موضوع پر کھل کر اظہار خیال فرمایا ہے (خوش قسمتی سے یہ تقریر بھی اسی شمارے میں شامل ہے) ذیل میں اس سفر کی مکمل رپورٹ پیش خدمت ہے۔

آغاز سفر

دورۂ امریکہ کے لئے سفر کا آغاز ۱۱ اگست ۸۹ء کو ہوا۔ ہماری پہلی منزل کراچی تھی۔ پرواز کی تاخیر کے

باعث ۱۱ اگست ۸۹ء کو امیر محترم کو تقریباً دس بجے ایرپورٹ سے سیدھے مسجد خضرا عزیز آباد سندھ سیکرٹریٹ کراچی جانا پڑا۔ مسجد ہذا میں پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق رفقاء کا اجتماع منعقد ہوا۔ امیر محترم نے اس میں شرکت فرمائی۔ حاضری بھرپور تھی۔ لہٰذا سب احباب سے ملاقات ہو گئی۔

اسی رات یا صحیح تر الفاظ میں ۱۲ اگست ۸۹ء کو علی الصبح کراچی سے پیرس روانگی طے تھی۔ جب مقررہ وقت پر ہمارا مختصر سا قافلہ (جس میں اب سراج سید صاحب بھی شریک ہو گئے تھے) کراچی کے ہوائی اڈہ پہنچا تو یہ اعصاب شکن خبر سننے کو ملی کہ مطلوبہ پرواز ۲۴ گھنٹے تاخیر سے جائے گی۔ 'تاخیر' میں بہر حال 'خیر' مضمر ہے۔ جناب سراج سید صاحب کی اقامت گاہ پر واپسی ہوئی اور اس طرح ۱۲ اگست کا دن 'جبری آرام' کا دن تھا۔ یہی نہیں بلکہ ایرپورٹ سے موصول ہونے والے فون سے معلوم ہوا کہ ہماری تو نشستیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ لہٰذا بھاگ دوڑ کر کے اپنی نشستوں کی 'حفاظت' کا بندوبست کیا گیا تاہم یہ مسئلہ بھی عین ایرپورٹ پر جا کر حل ہوا اور ہم سامان ہوائی عملہ کے حوالے کر کے انتظار گاہ میں داخل ہو گئے۔

پیرس میں ڈاکٹر حمید اللہ سے ملاقات

کراچی کے ہوائی مستقر سے روانہ ہو کر ہمارا جہاز ۱۳ اگست کو صبح ۵ ۴۔ ۸ بجے پیرس کے ہوائی اڈے پر اترا۔ پیرس جدید دنیا کا رومانوی اور الف لیلوی شہر ہے۔ تاہم 'خال خال' وہ خدا مست لوگ بھی ہیں جو اس خدا ناشناس ماحول میں بھی روحانیت' اصلاح اور ہدایت کی شمعیں روشن کئے بیٹھے ہیں۔ تنظیم اسلامی کے ایک رفیق جناب اعجاز لطیف صاحب آج کل پی آئی اے پیرس میں فنانس ڈائریکٹر ہیں اور مالی 'ہدایت کار' سے زیادہ 'مذہبی' ہدایت کار کا فریضہ بطریق احسن انجام دے رہے ہیں۔ انہی کا خلوص اور شوق امیر محترم کو یہاں لے آیا تھا۔

پیرس میں آمد کے موقع پر لندن سے رفقائے تنظیم ایک قافلے کی صورت میں تشریف لائے تھے لیکن جناب عبدالعزیز کرمانی صاحب جو اس سفر کے محرک تھے اور انہیں میر کارواں ہونا چاہئے تھا' عین موقع پر کسی گھریلو پریشانی کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے۔ تاہم جناب ظہور حسن صاحب' جناب سید ہاشم صاحب' جناب تنویر الاسلام صاحب اور جناب شبیر علی خان صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔

امیر محترم کی شدید خواہش تھی کہ پیرس پہنچنے پر جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مد ظلہ العالی (جو معروف عالمی حیثیت کے مسلمان دانشور اور مبلغ اسلام ہیں اور عرصہ سے پیرس ہی میں مقیم ہیں) سے شرف باریابی حاصل ہو۔ پیرس میں ایک دعوۃ مسجد ہے جہاں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے نماز ظہر کے بعد ملاقات ہوئی۔ موصوف نے نہایت خندہ پیشانی سے وقت دیا اور طویل گفتگو کا موقع بخشا۔ شام سوا چار بجے کے قریب اجازت لے کر واپسی ہوئی۔

پروگرام کے مطابق عربی مسجد میں نماز عصر کے بعد امیر محترم کو خطاب کرنا تھا۔ شام سوا چھ بجے پروگرام کا آغاز ہوا۔ پیرس جیسے شہر میں دو ڈھائی صد پڑھے لکھے لوگوں کا مذہبی اجتماع توقع سے بڑھ کر ہی تھا۔ امیر محترم نے انفرادی اصلاح اور اجتماعی اصلاح کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اس نکتے پر زور دیا کہ پاکستان کے خصوصی پس منظر میں سیاسی' سماجی اور معاشی سطح پر اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ہر مسلمان پر اپنی اصلاح کی ذمہ داری تو ہے ہی' کچھ اجتماعی ذمہ داریاں بھی ہیں جس کے متعلق ہر مسلمان کو غور کرنا چاہئے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔

رات کو قیام کا پروگرام جناب اعجاز لطیف صاحب کے ہاں تھا۔ دوسرے دن ۱۴ اگست گھر پر ہی قیام رہا۔ ملاقات کے سلسلے میں مختلف حضرات اور وفود تشریف لائے۔ دوپہر کو پیرس کی مشہور جگہ شانزے لی زے (ChamsElysee) دیکھنے گئے۔ عام تصوراتی خاکے سے ہٹ کر محسوس ہوا کہ فرانس کے لوگ خاصے 'قدامت پسند' ہیں۔ یہاں کے خاص طرز تعمیر کو بھی دیکھ کر محسوس ہوا کہ ان میں ایک طرف تو اندلس (سپین) کے مسلم دور کے اثرات نمایاں ہیں اور دوسری طرف انقلاب فرانس سے قبل کی ظالمانہ جاگیرداریت کے اثرات ہویدا ہیں' جس میں عوام بنی اسرائیل کی طرح کی بدترین غلامی کا شکار تھے۔ یہی 'خون رگ مزدور' تھا جو کہیں اہرام مصر' کہیں تاج محل اور کہیں فرانس کے محلات کے فنی اور تخلیقی حسن میں ڈھلا ہوا نظر آتا ہے۔

عصر کے بعد ایک مقامی ہوٹل میں امیر محترم کے خطاب کا ایک پروگرام ترتیب دیا گیا تھا جس میں منتخب روزگار لوگوں کو داخلہ کارڈ سسٹم کے تحت مدعو کیا گیا تھا۔ ستر اسی افراد تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے خاص شفقت فرمائی اور پورا پروگرام سماعت فرمایا۔ اپنے خطاب میں امیر محترم نے اسلام کی معاشی اور اقتصادی تعلیمات کو خصوصیت سے واضح فرمایا۔ ۱۵ اگست بروز منگل صبح مختلف حضرات تشریف لائے جن میں قاضی بشیر صاحب جو پاکستان میں سیکرٹری ایجوکیشن ہیں اور ایک نو مسلم امریکی بھی شامل تھے۔ ان سے بھی مفصل تعارف ہوا۔ یہاں جناب ناصر صاحب کا ذکر بھی ضروری ہے (ان سے غائبانہ تعارف پہلے اس طور پر تھا کہ برادرم اعجاز لطیف کی معرفت وہ اپنے دو صاحبزادوں کو یہاں حفظ کے لئے بھجوانا چاہتے ہیں) وہی دراصل ہمارے رہبر اور ستواق رہے۔ وہ اپنی ٹیکسی کار میں ہمیں مختلف مقامات پر لے گئے اور معلومات فراہم کرتے رہے۔ اُن کے بھائی سے بھی ملاقات ہوئی۔ لندن کے رفقاء سے بھی تفصیلی ملاقات رہی۔ ایرپورٹ پر اعجاز لطیف صاحب' ناصر صاحب اور دیگر صاحبان الوداع کہنے آئے۔

امریکہ کے لیے روانگی

امریکہ کے لئے ہماری پرواز نے ۴۵۔ ۱۲ دوپہر کو روانہ ہو کر آٹھ گھنٹے پرواز کے بعد ۰۰۔ ۳ بجے بعد دوپہر جے ایف کے ایرپورٹ پر لینڈ کیا۔ دراصل چھ گھنٹے وقت کا فرق ہے۔ یہاں ہم خلاف معمول کسٹم

وغیرہ کے لوازمات سے صرف ایک گھنٹے میں فارغ ہو کر چار بجے لاؤنج میں آگئے۔ یہاں جناب منظور علی شیخ صاحب (جو کہ ہمارے لاہور کے ساتھی بشیر ملک صاحب کے داماد ہیں) استقبال کے لئے چشم براہ تھے۔ جناب شمیم صدیقی صاحب تشریف لائے تھے (آپ جماعت اسلامی کے زعماء میں سے ہیں۔ کافی عرصے سے خط و کتابت چل رہی تھی۔ ان کا ایک خط بھی میثاق میں شائع ہو چکا ہے۔ آج کل نیو یارک میں مقیم ہیں) ان کے ہمراہ ڈاکٹر ظہیر صاحب تشریف لائے تھے۔ جناب الطاف صاحب بھی حسب معمول تشریف لائے تھے۔ جناب سراج سیّد کو اپنے اعزّہ سے ملاقات کے لئے چند روز کے لئے فلاڈلفیا روانہ ہونا تھا۔ چنانچہ جناب منظور علی شیخ صاحب نے اس کام میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ ہماری اگلی فلائٹ میں قریباً دو گھنٹہ کا وقفہ تھا۔ یہ وقت ان موجود احباب سے مفصل تبادلہ خیالات میں گزر گیا۔ امیر محترم نے سوالات کے تسلی بخش جواب مرحمت فرمائے۔ ہماری پرواز مزید تاخیر سے ۴۰-۷ شام روانہ ہوئی۔ اب ہماری منزل ڈیٹرائٹ تھی۔ انتظار کی تکلیف اور لمبے سفر کے باعث کافی تکان تھی۔ ایرپورٹ پر استقبال کے لئے جناب ڈاکٹر مظفر اعوان صاحب اور رشید لودھی صاحب تشریف لائے تھے (ڈاکٹر اعوان صاحب نہایت باصلاحیت ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے لئے ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔ تلاش حقیقت میں امریکہ سے پاکستان تشریف لا کر امیر محترم کی بیعت کی تھی۔ موجودہ دورۂ امریکہ میں بھی ان کی مساعی کو بہت دخل حاصل ہے۔ دین کی خدمت کا بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بخشے آمین) ان کے ساتھ ہم اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔ اُن کے خلوص اور ہمارے لئے کئے گئے آرام دہ انتظامات کو دیکھ کر ہم اپنے سفر کی مشقت اور تکان کو بھول گئے۔ تاہم ضروری گفتگو سے فراغت کے بعد آرام کے لئے لیٹ گئے۔

۱۶ اگست صبح بدھ کو ڈاکٹر عبد الفتاح صاحب اور ڈاکٹر خورشید صاحب سے فون پر ہم کلامی ہوئی۔ پہلا مرحلہ قیام اور واپسی کے سارے پروگراموں کو حتمی شکل دینا تھا۔ اسی میں ایک عقدہ پڑ گیا۔ پہلے پروگرام کے مطابق ہماری واپسی ۵ ستمبر کو ہونی تھی مگر ڈاکٹر خورشید ملک صاحب نے بتایا کہ ISNA Islamic Society of North America والوں نے اپنے سالانہ اجتماع کے موقع پر امیر محترم کو خصوصی دعوت دی ہے اور اس سلسلے میں ان کے کنیڈا کے لئے وائس پریذیڈنٹ جناب ڈاکٹر سیّد امتیاز صاحب جو اُن کے پروگرام چیرمین بھی تھے، تشریف لائے ہوئے تھے۔ اب تو "تاب لائے ہی بنے گی غالب" والا معاملہ ہوا۔ ڈاکٹر امتیاز صاحب کی پیش کش قبول کرتے ہوئے واپسی کے پروگرام کو ہفتہ بھر کے لئے مؤخر کر لیا گیا۔ اب گویا واپسی ۹ ستمبر کو طے ہوئی۔

ڈیٹرائیٹ میں تربیتی کیمپ

سہ پہر کو امیر محترم کی تجویز پر مجوزہ تربیتی کیمپ کی جگہ کا جائزہ لینے کی غرض سے نکلے۔ یہ جگہ ڈیٹرائٹ

سے چالیس پینتالیس میل کے فاصلہ پر ایک تفریحی مقام ہے۔ وہاں پہنچے تو چار بج چکے تھے لہذا اندر جانے کی اجازت نہ ملی۔ ناچار باہر سے ہی دیکھ کر ذہن میں موجود خاکہ کو نقل مطابق اصل کے کر لیا۔ پہلا تاثر کوئی دل کش نہ تھا۔ جس کا امیر محترم نے اظہار بھی کیا مگر جب معلوم ہوا کہ تمام ذمہ دار حضرات نے اس جگہ کا معائنہ کیا ہے تو طبیعت میں اطمینان ہوا گو بعد کے دنوں میں امیر محترم کا یہ احساس قائم رہا کہ اس Site Camp کی بجائے کسی کالج کیمپس کا انتخاب یقیناً بہتر ہوتا۔

ہمارا قیام جناب ڈاکٹر اعوان صاحب کے ہاں تھا۔ انہوں نے ہمارے لئے ایک علیحدہ مکان (جو مقامی اصطلاح میں Condomenim کہلاتا ہے) مخصوص کیا ہوا تھا۔ جہاں ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ یہاں کا موسم بہت اچھا تھا۔ نیویارک میں اور دیگر ساحلی علاقوں میں تو خلاف توقع گرمی تھی مگر یہاں اور خصوصاً (Dayton) ڈیٹن میں جہاں کانفرنس منعقد ہوئی خوشگوار موسم ہی رہا۔ رات کو ڈیٹرائٹ کے رفقاء کا ایک اجتماع تھا۔ ڈاکٹر اعوان صاحب' رشید لودھی صاحب' ڈاکٹر انصاری صاحب' ڈاکٹر جمیل خان صاحب اور اعجاز چودھری اور ایک نئے رفیق ڈاکٹر عارف صاحب موجود تھے۔ اس طرح ان احباب سے ابتدائی ملاقات ہو گئی۔

۱۷ اگست کو رفقاء سے ملاقات کا پروگرام تھا۔ سید رضا علی بابر سے ملاقات ہوئی اور مقامی نظم اور اس کے معاملات کو سمجھنے میں مدد ملی۔ ۱۷ کی شام کو ہی ڈاکٹر عبد الفتاح صاحب کناڈا سے بمعہ زمان خان صاحب' حامد رفیق صاحب اور کبیر فاروقی صاحب کے تشریف لائے۔ رفقاء نے نارتھ امریکہ میں بھی ایک نظم کو قائم کرنے کی رائے ظاہر کی۔

۱۸ اگست بروز جمعہ امیر محترم سینٹ لوئی (SaintLouise) تشریف لے گئے راقم ڈیٹرائٹ ہی میں رہا کیونکہ یہاں کے معاملات مزید سمجھنے کے لئے مجھے احباب سے نجی ملاقاتوں کی بھی ضرورت تھی۔

۱۹ اگست بروز ہفتہ جناب رضا علی بابر' ڈاکٹر اعجاز صاحب چودھری' رشید لودھی صاحب' ڈاکٹر اعوان صاحب اور دوسرے احباب سے ملاقات ہوئی۔ رات سراج سید صاحب فلاڈلفیا سے تشریف لائے اور پروگرام میں شامل ہو گئے۔ سید صاحب اپنی عمر کے حساب سے تو کہولت کی عمر میں داخل ہیں مگر اپنے جذبے' قوت کار اور ہمت میں جوانوں کے لئے بھی قابل رشک ہیں اور ساری مصروفیات میں پیش پیش رہے۔

۲۰ اگست بروز اتوار سارا دن کیمپ سے متعلق سامان جمع کرنے اور انتظامات کو آخری شکل دینے میں گزرا۔ کیمپ کی جگہ خاصی وسیع تھی۔ ایک جگہ جہاں کچن تھا اس جگہ کھانا پکانے اور Serve کرنے کا انتظام کیا گیا۔ باقی تین عمارات میں خواتین و حضرات کے قیام کا اہتمام کیا گیا۔ اجتماع کے لئے بھی ایک کشادہ جگہ میسر تھی۔ امیر محترم کی سہولت کے پیش نظر اُن کے قیام کے لئے اجتماع گاہ سے ۱۲/۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک Inn میں ایک کمرہ حاصل کیا گیا تھا۔ راقم الحروف اور سراج سیّد صاحب کا قیام بھی وہیں رہا۔

کیمپ کا آغاز ۲۰ اگست کی سہ پہر سے ہوا۔ شام تک تمام شرکاء کو رپورٹ کرنا تھا۔ کیمپ میں تشریف لانے والے خواتین و حضرات کی تعداد ۱۵۰ کے قریب تھی۔ کچھ کمسن بچے اس کے علاوہ تھے۔ یہاں اکثر قدیم اور جدید احباب کو یکجا دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی۔ ملاقاتیں بھی خوشگوار رہیں۔ رفقاء تنظیم اور اُن میں بھی سرگرم حضرات سے تو ویسے بھی مسلسل رابطہ رہتا ہے مگر کئی احباب سے خلاف توقع ملاقات ہوئی تو خوشگوار حیرت اور شادمانی کے ملے جلے جذبات سے ان کا استقبال کیا۔ مثلاً مانٹریال سے ڈاکٹر اسحاق کا اور ٹورنٹو سے جناب بیگ صاحب تشریف لائے تھے۔ جناب غلام سبحانی بلوچ صاحب' ڈاکٹر سلیم صاحب اور نیویارک سے جناب شمیم صدیقی صاحب نے بھی ہمت فرمائی۔ پھر اعجاز لطیف صاحب کا تو لطیف سا اعجاز ہی سمجھئے کہ حالیہ پروگرام کے سلسلہ میں قریباً ہفتہ بھر OFF رہنے کے باوجود پیرس سے بمعہ اہل و عیال یہاں امریکہ بھی تشریف لے آئے۔ لندن سے برادرم اکبر بٹ صاحب بمعہ صاحبزادہ کے آئے

۲۱ اگست بروز سوموار صبح سے کیمپ کے پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ پروگراموں کے لئے تقسیم اوقات حسب ذیل تھی۔

نماز فجر کے بعد۔ درس حدیث۔ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
وقفہ برائے ناشتہ وغیرہ
۹ بجے سے گیارہ بجے تک۔ پروگرام جناب سراج الحق سید صاحب
۱۱ بجے سے ا بجے دوپہر تک۔ درس جناب امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
عصر تا مغرب۔ تفہیم کتاب "منہج انقلاب نبوی" جناب سراج الحق سید صاحب
مغرب تا عشاء۔ خطاب عام' امیر محترم

یہ پروگرام ۲۱ اگست کی صبح ۹ بجے شروع ہو کر ۲۶ اگست بروز ہفتہ دوپہر ایک بجے بروز سوموار ختم ہوا۔ درمیان میں ۲۵ اگست کی صبح کی نشست نماز جمعہ کی تیاری وغیرہ کے باعث منعقد نہیں ہو سکی۔

صبح کی نشستوں میں امیر محترم نے سورۃ الحج کے آخری رکوع کی چھ آیات کا درس دیا۔ توحید کی اہمیت' شرک کی مختلف شکلیں' زمانہ قدیم کے مشرکانہ عقائد اور دور جدید کے مشرکانہ عقائد اور ان کی شکلیں' جدید فلاسفہ کا ردّ اور اسلام کا تصور معبود و محبوب' شرک کی بنیاد۔ انسانی فکر کا مادّہ پرستانہ نقطہ و نظر' تصورِ آخرت اور مقام و مرتبہ رسالت ایسے اہم موضوعات پر گفتگو رہی اور قرآنی تعلیمات کے حوالے سے سامعین کے مذہبی تصورات کی اصلاح فرمائی پھر ایمان کے رکن رکین جہاد کی ضرورت و اہمیت پر بھی وضاحت سے روشنی ڈالی۔ غرض یہ کہ سورۃ الحج کا یہ جامع مقام اور امیر محترم کا بیان جیسے پتھر کو مختلف پہلوؤں سے کاٹ کر نگینہ بنایا جاتا ہے' بعینہ سورۃ الحج کے اس درس نے سامعین کے فکر کی ہر پہلو سے اصلاح کر کے اس کو ایک قابل قدر شے بنا دیا کہ شرکاء محویت سے دم بخود رہے۔

جناب سراج سید صاحب نے صبح کے پروگراموں میں تنظیمی امور اور معاملات پر جدید تعلیمی اصولوں کے ذریعے روشنی ڈالی اور مفہوم اور مدعا کو خوب ذہن نشین کرایا۔ شام کے پروگراموں میں امیر محترم کی شاہکار کتاب 'منہج انقلاب نبوی' کے مطالعہ پر مبنی ایک پروگرام تھا جس میں سوال و جواب کے ذریعے کتاب کے اہم مباحث کو ذہن نشین کرانا مقصود تھا۔ یہ پروگرام اتنا مؤثر تھا کہ پروگرام کا ہر شریک اس سے یکساں مستفیض ہوا۔ صبح بعد نماز فجر کے درس حدیث کے پروگرام میں امیر محترم نے پہلے دن 'انما الاعمال بالنیات' والی حدیث کی تشریح فرمائی۔ دوسرے اور تیسرے دن حدیثِ جبرئیل کا بیان فرمایا اور اسلام' ایمان اور احسان کے فرق کو شرکاء کے ذہن نشین کرایا۔ آخری روز حضرت معاذؓ بن جبل سے مروی حدیث کا مطالعہ کرایا جو نظام دین کو سمجھنے میں کلیدی حیثیت کی حامل ہے۔ مختلف عبادات اور ارکان کی باہمی اہمیت کو اس حدیث میں آپؐ نے ایک مثال سے واضح فرمایا اور جہاد کو سب سے اونچی چوٹی قرار دیا ہے۔ اللہ کرے کہ یہ چیزیں ہماری بھی حرز جان بن جائیں۔ آمین۔

شام کو بعد نماز مغرب عام خطابات کا پروگرام تھا تاکہ کُل وقتی شرکاء کے علاوہ دیگر لوگ بھی شامل ہو سکیں۔ ان خطابات کا مجموعی عنوان 'اسلام کا نظام عدلِ اجتماعی' یعنی 'SystemofSocialJustice' تھا۔ پہلے دن اسلام کے روحانی نظام یا اسلامی نظام عدلِ اجتماعی کی بنیاد ایمان کی اہمیت اجاگر کی گئی۔ پھر سیاسی اور سماجی میدانوں میں اسلام کے انقلابی تصورات کو واضح کیا گیا۔ آخری دن یعنی جمعے کی شام اسلام کا معاشی نظام موضوعِ خطاب تھا۔ اور جمعے میں اعلان کی وجہ سے حاضری بھی نمایاں طور پر زیادہ تھی۔ امیر محترم نے رائج الوقت دونوں نظاموں (روس اور امریکہ) کے نقائص کو نشان زد کرتے ہوئے اسلام کی تعلیمات پر مبنی ایک تیسرے نظام کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی۔ یہ نظام نہ مجرد مساوات کا علمبردار ہے اور نہ مجرد آزادی پر مبنی ہے بلکہ یہ آزادی اور مساوات میں بھی اعتدال کا تقاضا کرتا ہے۔

امیر محترم کا خطابِ جمعہ Dear Dome کی عربی مسجد میں تھا۔ یہاں نمازیوں میں عربوں کی اکثریت ہے۔ خطاب انگریزی میں تھا اور موضوع 'حکمت و احکام جمعہ' ۔ حاضرین نے اس موضوع پر شاید پہلی مرتبہ اس نوع کی مدلل اور مربوط بات سنی تھی۔ چنانچہ بہت انہماک اور توجہ سے انہوں نے اس خطاب کو سنا۔ خاص طور پر عرب سامعین تو کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آتے تھے۔ انہوں نے نماز جمعہ کے بعد خطاب کے بارے میں دل کھول کر توصیفی کلمات کہے۔

تربیتی کیمپ کی میزبان تنظیم ڈیٹرائٹ کے رفقاء پر مشتمل تھی مگر یہاں پہلے سے کوئی باقاعدہ تنظیمی نظم قائم نہ تھا۔ بلکہ یہ حضرات تو ٹورنٹو کی تنظیم سے جو باقاعدہ بھی ہے اور قدیم بھی 'تعاون اور رہنمائی کے مستحق تھے۔ جناب رشید لودھی صاحب نے جو ان تھک محنت فرمائی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اجر عطا فرمائے۔ آمین۔ نہ صرف وہ بلکہ ان کا ایک کم عمر بچہ بھی باپ کے ساتھ اس مبارک بھاگ دوڑ میں شامل رہا جسے کوئی دیکھنے والی آنکھ فراموش نہیں کر سکتی۔

اس موقع پر یہ احساس بھی ہوا کہ ٹورنٹو تنظیم سے کچھ حضرات اگر چند روز قبل یہاں آجاتے تو زیادہ بہتر انتظامات ہو سکتے تھے اور تنظیم کا Team Work بھی سامنے آتا۔ اب تو یہ ایک One Man Show نظر آرہا تھا۔ اور بے چارے رشید لودھی صاحب امرت دھارا کی طرح ہر مرض کا واحد علاج تھے۔

جمعہ کی شام جناب حسنین حیدر صاحب بھی کیمپ میں تشریف لے آئے۔ موصوف اس سے قبل لاہور میں اسرہ ملتان روڈ کے روح رواں تھے۔ آج کل الیکٹریکل انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کے لئے Enorter میں زیر تعلیم ہیں۔ رات کو ہماری قیام گاہ پر ہی ٹھہرے، اگلے دن ہفتہ کی شام کو واپسی ہوئی۔

کیمپ کے آخری دن یعنی ۲۶ اگست کو الوداعی خطاب بھی تھا اور تنظیمی سیشن بھی تھا۔ اس میں مختلف سطح کے تنظیمی فیصلے ہوئے۔ امیر محترم نے واضح طور پر یہ بات سامنے رکھی کہ:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ SSQ[لہ] کو نمایاں کیا جائے اور تنظیم کی دعوت بالواسطہ دی جائے۔

۲۔ دوسری صورت یہ تھی کہ تنظیم کی دعوت چونکہ اب کافی عام ہو چکی ہے لہذا یہاں کے لوگ یہیں کسی مقامی شخص کے ہاتھ پر بیعت کر کے ایک الگ نظم قائم کر لیں اور امیر محترم کے لٹریچر سے فکری رہنمائی حاصل کرتے رہیں۔

۳۔ تیسری صورت یہ تھی کہ موجودہ صورت کو برقرار رکھتے ہوئے امیر محترم کی ہی بیعت کے تحت زیادہ زور شور سے کام کیا جائے۔ علیحدہ علیحدہ مقامات پر مقامی نظم بھی قائم ہوں اور اس کے علاوہ بہتر Co-Ordination کے لئے نارتھ امریکہ کی سطح پر ایک الگ امیر کا تقرر کیا جائے۔

رفقاء نے تیسری شکل ہی کو پسند کیا اور تنظیم اسلامی ہی کے پلیٹ فارم سے کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ نارتھ امریکہ کی سطح پر امیر کے چناؤ کے لئے خفیہ بیلٹ کا استعمال بھی عمل میں آیا مگر اصلاً امیر محترم نے ہی اپنی صوابدید کے مطابق جناب برادرم خورشید ملک صاحب کو نارتھ امریکہ کی امارت سپرد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ خورشید ملک کو بیش از بیش ہمت اور قوت عطا فرمائے کہ وہ یکسوئی کے ساتھ اس دینی ذمہ داری کو بطریق احسان نبھا سکیں۔ غالباً حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ قول مروی ہے کہ جس کسی کو قرآن (کا فہم اور اس کی دعوت کا کام) عطا کر دیا گیا مگر پھر بھی اس نے سمجھا کہ اس کے علاوہ کسی اور کو اس سے بہتر (کام یا) دولت عطا ہوئی ہے تو اس نے قرآن مجید کی قدر نہیں کی۔ دعا ہے کہ برادرم خورشید ملک صاحب قرآن کی اس دعوت کے کام کے لئے اس کے اصلی اور حقیقی مقام کے مطابق اوقات اور صلاحیتیں وقف کر سکیں (آمین ثم آمین)۔ دعا پر اس مجلس کا اختتام ہوا اور قریباً ایک بجے تمام شرکاء رخصت ہوئے۔

۲۶ اگست کو شام ساڑھے چھ بجے ڈیٹرائٹ کے اسلامک سنٹر میں عصر کے بعد امیر محترم کا خطاب ہوا جس کا عنوان تھا 'اسلام کا نظام حیات'۔ حاضری بہت زیادہ نہ تھی، تاہم اس جگہ کو خاص اہمیت اس لئے

[لہ] مراد ہے سوسائٹی آف سرونٹس آف قرآن یعنی انجمن خدام القرآن

حاصل ہے کہ دو سال قبل اسی جگہ سے تنظیم اسلامی ڈسٹرائٹ کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ یہیں پر بعد مغرب ایک میٹنگ منعقد ہوئی تھی جس میں تنظیمی معاملات زیر بحث آئے اور مختلف فیصلے کئے گئے تھے

شکاگو میں پانچ دن

۲۷ اگست کی صبح شکاگو کے لئے روانگی تھی۔ خورشید ملک صاحب اور احمد عبد القدیر صاحب پہلے تشریف لے گئے 'بعد میں امیر محترم سراج سید صاحب اور راقم شکاگو کے لئے روانہ ہوئے۔ ایرپورٹ پر خورشید ملک صاحب 'قدیر صاحب' چودھری علی محمد صاحب اور عابد بنگالی صاحب خوش آمدید کہنے کے لئے موجود تھے۔ قیام حسب معمول ڈاکٹر خورشید ملک صاحب ہی کے ہاں تھا۔ خورشید ملک صاحب ابھی تک کیمپ کی تھکاوٹ اتار نہیں سکے تھے۔ اس دفعہ انہوں نے ہمارے لئے ایک الگ کمرہ تیار کرایا تھا مگر ہمیں تو ان کا Basement ہی پسند آیا اور حسب سابق وہیں قیام کو ترجیح دی۔ اُن کے گھر پہنچ کر واقعتاً اپنائیت اور اپنے گھر کا سا احساس ہوتا ہے۔ یہیں ڈاکٹر طور صاحب بھی تشریف لے آئے۔ شام Islamic Foundation Chicago میں ڈنر تھا۔ زیادہ تر حاضرین پاکستانی تھے۔ پاکستان کے سیاسی حالات پر امیر محترم نے اظہار خیال فرمایا اور سوال و جواب کی نشست رہی۔

۲۸ اگست کی صبح جناب افضل فردوسی صاحب تشریف لائے اور بعد میں مختلف احباب ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے۔ شام کو ایم سی سی (مسلم کیونٹی سنٹر) میں ڈنر اور خطاب کا پروگرام طے تھا۔ اسی دن ایک نوجوان کے اصرار پر اس کی محفل نکاح بھی یہاں منعقد ہو گئی۔ پہلے ڈنر ہوا پھر محفل نکاح اور پھر خطاب جو نماز عشاء کے بعد ختم ہوا۔ بعد ازاں انقلاب کے لئے دعوت بھی امیر محترم نے کھلے الفاظ میں یہاں بیان فرمائی۔ حاضری اس روز مثالی تھی۔ نماز عشاء کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی جس میں ۱۰۰ کے قریب احباب موجود رہے جس میں حاضرین نے خاصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

بعد ازاں سید امیر علی صاحب ایم سی سی کے ملحق ہی اپنا Unit دکھانے کے لئے لے گئے۔ سید صاحب پہلے سعودی عرب میں تھے اب یہاں اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔ اللہ کرے کہ یہاں دین کے لئے ان کی صلاحیتیں زیادہ بہتر طور پر کام میں آسکیں۔

۲۹ تاریخ شام کو انتظامی میٹنگ تمام رفقاء کے لئے رکھی گئی تھی۔ بانی رفقاء کے علاوہ آج عطاء الرحمٰن صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ یہ بھی طے ہوا کہ ۳۱/ اگست کو جمعرات کے دن SSQ کی ایک میٹنگ ڈاکٹر طور صاحب کے ہاں رکھ لی جائے۔ طور صاحب نے تمام احباب کو اپنے ہاں کھانے پر بھی مدعو کر لیا۔ امیر محترم نے تمام رفقاء سے مشورہ کے بعد محمد علی چودھری صاحب کو شکاگو تنظیم کا امیر مقرر کیا اور یہ بھی طے پایا کہ موصوف خورشید ملک صاحب کی بطور معتمد معاونت بھی فرمائیں گے جن کو نارتھ امریکہ کی

سطح پر امارت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

یہ بھی طے پایا کہ دورۂ ترجمہ قرآن امریکہ میں بجائے رمضان المبارک ۹۰ء کے ۹۱ء میں مناسب رہے گا۔ اس کے لئے ابھی سے تیاری کی جائے اور اطلاعات دی جائیں۔ امیر محترم نے وضاحت فرمائی کہ انہیں بھی انگریزی زبان میں دورۂ ترجمہ قرآن کی تیاری کے لئے مناسب وقت مل جائے گا۔

۳۰ اگست کو شکاگو کے مضافات میں واقع مسجد فاطر میں پروگرام طے تھا۔ یہاں بھی عرب مسلمانوں کی بکثرت آبادی ہے۔ ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کو وہاں پہنچنے میں خاصی تاخیر ہوئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کا چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ وقت پر نہیں پہنچ پائے۔ اللہ کے فضل سے خیریت ہی رہی لیکن گاڑی کا خاصا نقصان ہو گیا۔ سامعین میں زیادہ تر عرب ہی تھے۔ پروگرام نہایت بھرپور رہا۔ بعد ازاں سوال جواب کی نشست ہوئی۔

رات کو کھانے کا پروگرام چودھری محمد علی کے ہاں تھا۔ وہاں سے فارغ ہوتے رات دو بج گئے۔ یہاں قیام کے دوران لندن سے محترم عزیز کرمانی صاحب کے فون آنا شروع ہوئے کہ واپسی پر لندن میں بھی پروگرام کے لئے امیر محترم وقت عنایت فرمائیں۔ لندن سے رفقاء نے اور بالخصوص ظہور حسن صاحب اور ان کی اہلیہ نے فون پر اتنا شدید اصرار کیا کہ قیام لندن کا پروگرام بناتے ہی بنی۔ لہذا ۳۱/ اگست کو برطانیہ کے ویزے کے حصول کے لئے کوششیں کیں جو اللہ تعالے نے کامیاب فرمائیں اور اس طرح یہ پروگرام جو اچانک بن گیا تھا اس کا روبعمل آنا ممکن ہو گیا۔

۳۱ اگست کا ناشتہ جناب افضل فردوسی صاحب کے ہاں تھا۔ برٹش ایمبیسی میں ٹکٹ کے لئے خصوصی کوشش کرنا پڑی۔ مقامی بینکر دوست کے تعاون سے یہ مرحلہ بھی آسان ہو گیا۔ عصر کے بعد ملک صاحب کے بڑے صاحبزادے تنویر ملک کے کچھ احباب ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ بات چیت ہوئی۔ شام کو ڈاکٹر طور صاحب کے ہاں کھانا تھا۔ SSQ کی میٹنگ بھی وہیں تھی۔ امیر محترم نے وہاں انجمن کا Scope واضح فرمایا اور دعوتی کام کے امکان کا جائزہ لیا۔ بعد ازاں سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ امیر محترم نے فرمایا کہ مقامی SSQ جناب عابد بنگالی صاحب سنبھالیں۔ عابد بنگالی ایک کاروباری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ وہ انجمن کو ایک مستحکم آرگنائزیشن کے طور پر کامیابی سے چلائیں گے۔ اس طرح خورشید ملک صاحب اب پوری طرح فارغ ہو کر نارتھ امریکہ میں تنظیمی کام کو سنبھالیں گے۔

اسنا کے سالانہ اجلاس میں شرکت

یکم ستمبر کو Dayton جانے کا پروگرام تھا۔ امیر محترم کو حسب پروگرام جس پرواز پر جانا تھا وہ منسوخ ہو گئی اور تاخیر سے قریباً ۱۲ بجے روانہ ہوئی۔ باقی احباب کی روانگی Byroad ہی طے تھی۔ چنانچہ

عزیزم ممنون کی گاڑی میں میرے علاوہ جناب نعیم چودھری صاحب مع اہلیہ کے تھے۔ جبکہ سراج سید صاحب اور عزیزم سلیم جناب وجیہہ الدین کے ہمرکاب تھے۔ یہ نوجوان سید ہاشم کے بیٹے اور سید پیر محمد صاحب کے بھتیجے ہیں۔ کیمپ کے پروگرام میں شریک رہے تھے۔ نتیجتاً دین کی طرف شدید جھکاؤ طبیعت میں پیدا ہو چکا تھا۔ ہمیں انڈیانا سٹیٹ سے گزر کر اوہائیو سٹیٹ میں پہنچنا تھا۔ ساڑھے پانچ گھنٹے کا کار کا سفر تھا۔ بڑا دلفریب قدرتی نظاروں کا علاقہ تھا۔ یہاں ISNA کا چوبیسواں سالانہ اجتماع ہو رہا تھا۔ ISNA میں الاخوان اور جماعت اسلامی کے وہ لوگ شامل ہیں جو تعلیم کے لئے امریکہ آئے تھے۔ پہلے ۱۹۶۴ء میں MSA بنی تھی۔ بعد میں انہی اصحاب نے ISNA کے نام سے ایک وسیع تر ادارے کی بنیاد رکھی۔ اس سالانہ اجتماع کا مجموعی عنوان تھا: "PROSPECTSOFDAWAIN1990 s."

امیر محترم کا خطاب شام کے پہلے سیشن میں تھا۔ دیگر مقررین میں ڈاکٹر انیس احمد اور ڈاکٹر جعفر صاحب شامل تھے۔ اور آخر میں Sumup کرنا تھا...... "NEWHORIZON" کے ایڈیٹر جناب عامر حلیم صاحب کو جو عراقی نژاد ہیں اور تین پشتوں سے یہاں مقیم ہیں۔ جناب عامر حلیم کی گفتگو کا زیادہ وقت امیر محترم کے خطاب پر مرتکز رہا اور اس کی توصیف کرتے رہے۔ امیر محترم نے مستقبل میں دعوت کے امکانی طریقوں پر تقریر میں ارشاد فرمایا کہ

۱ ۔ایمان کو مضبوط بنایا جائے اور اس کو جدید دنیا میں HighestPhilosophicallevel پر پیش کیا جائے۔

۲ ۔جدید دور میں روس اور امریکی نظام اپنی منطقی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ بلکہ سیکنڈے نیوین ممالک میں یہ مادی نظام اپنے عروج پر ہے سوشل ڈیموکریسی کی صورت میں ۔ مگر یہاں بھی خودکشی عام ہے معلوم ہوا کہ یہاں بھی کسی چیز کی کمی ہے وہ ہے ایمان۔ لہٰذا اس زاویے سے بھی ضرورت ہے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک خطہ زمین نظام عدل اجتماعی کا ایک نمونہ قائم کر کے دکھائیں تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو سکے ۔امیر محترم کا یہ خطاب نہایت جامع تھا۔ اور بہت پسند کیا گیا۔

۲ ستمبر اگلے دن امیر محترم کو صبح کے سیشن میں توحید کے موضوع پر خطاب کا ایک اضافی موقع ایک مقرر کے تشریف نہ لاسکنے کے باعث میسر آگیا۔ امیر محترم نے توحید کے موضوع کو ولایت باہمی اور خدا اور بندے کے درمیان نصرت باہمی کے تصورات کے حوالے سے واضح فرمایا۔ مزید برآں توحید کے تقاضے کے طور پر جہاد اور کشمکش اور پھر سورہ الصف میں مذکور اللہ کی پکار (Call) یعنی کونوا انصار اللہ کو اس مضمون کے ساتھ جوڑ دیا۔ امیر محترم کو اللہ تعالے نے خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے کہ بات کو منطقی انداز میں جوڑ کر نیا انداز بخش دیتے ہیں۔ یہ تقریر اس ملکہ کی ایک بین مثال تھی۔ اسی دن بعد عصر عامر حلیم صاحب تشریف لائے اور اپنے جریدہ NEWHORIZONS کے لئے مفصل انٹرویو لیا جو دو گھنٹے

جاری رہا۔ انہوں نے انٹرویو کے بعد امیر محترم کے خیالات اور استدلال سے متاثر ہو کر اس کی اصابت اور اشاعت کی ضرورت کا اعتراف کیا۔

ISNA کے مرکزی صدر جناب ڈاکٹر احمد ذکی حماد نے مغرب کی نماز کے لئے امیر محترم کو نماز کی امامت کے لئے پیش کش کی اور بعد ازاں مختصر بیان کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔ امیر محترم نے نماز میں سورہ الصف کی تلاوت فرمائی اور اس کے حوالے سے "نصرت خداوندی" کی پکار کی تشریح فرمائی اور حاضرین اور سامعین کو صرف نشستند' گفتند و برخاستند کے بجائے کام کرنے کی طرف للکارا اور پکارا تو محسوس ہوا کہ لوگوں کے دل واقعی پسیج گئے اس لئے کہ وعظ اور پکار' میں واقعی فرق ہوتا ہے۔

حالیہ سفر امریکہ میں میں نے محسوس کیا کہ امیر محترم پر عمومی طور پر انشراح کی کیفیت طاری رہی اور اس کے کچھ شواہد اور وجوہات بھی سامنے آئیں۔ مثلاً اس دفعہ ISNA کے اجتماع میں خلاف معمول خواتین و حضرات کے نشست و برخاست کا بالکل الگ انتظام تھا۔ پردے کا اہتمام بھی خواتین میں پہلے کی نسبت زیادہ نظر آیا۔ یہ چھوٹی چھوٹی علامات یقیناً اچھا شگون ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ لوگ واقعی سنجیدگی سے دین کا کام کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ۲ ستمبر کو یہاں ڈاکٹر نیاز صاحب سے (جن کے صاحبزادے عزیزم عاصم نے یہاں لاہور میں ہمارے ہاں حفظ مکمل کیا ہے) ملاقات ہوئی جب ان کو معلوم ہوا کہ ہمیں ۷ ستمبر کو "سارا کیوس" جانا ہے تو انہوں نے امیر محترم سے اپنے جائے قیام "BHINGHAMTON" کے لئے مختصر سا وقت مانگ لیا۔ امیر محترم نے بخوشی اس کی اجازت دے دی۔ ۳ ستمبر کو ڈیٹن (Dayton) سے روانہ ہو کر ۱۰ بجے واشنگٹن ڈی سی پہنچے۔ اقبال مغل صاحب' رضوان علی سید صاحب' سید نارشیدی صاحب' مولانا لقمان صاحب اور دیگر حضرات بھی استقبال کے لئے موجود تھے۔ دوپہر کو "Voice of America" کا نمائندہ انٹرویو کے لئے پہنچ گیا۔ اجتماع کا وقت پانچ بجے طے تھا۔ لوکل اسلامک سنٹر ایک چرچ میں قائم کیا گیا ہے۔ یہاں بھی خلاف توقع کافی حاضری تھی۔ کام کے دنوں میں چار پانچ سو کی حاضری خاصی حوصلہ افزاء شمار ہوتی ہے۔ شام کو بعد مغرب اپنی قیام گاہ پر واپسی ہوئی۔ میری لینڈ یونیورسٹی سے طلبہ کا ایک گروپ ملاقات کے لئے آیا۔ سہیل صاحب کراچی کے نوید صاحب کے حوالے سے ملے۔ یہ ملاقات نہایت دلچسپ اور مفید رہی۔

اگلی صبح نیوجرسی ۵۰۔۱۰ پر روانگی تھی۔ مغل صاحب اور رضوان سید صاحب رخصت کرنے آئے۔ انہوں نے خدمت کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالٰے انہیں اپنے دین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین۔ یہاں سے روانہ ہو کر NEWARK پہنچے یہاں ڈاکٹر منظور علی شیخ منتظر تھے وہ ہمیں لے کر قیام گاہ واقع JERSY CITY پہنچے یہاں اسلامی مرکز میں الغزالی سکول میں پروگرام تھا۔ اسلامک سنٹر میں عصر کی نماز ۴۵۔۵ پر طے تھی یہاں پر پروگرام کا عنوان: The Rise and Fall of Muslim Ummah تھا۔ یہ پروگرام حد درجہ کامیاب رہا۔ یہاں آغاز سے

۳۰۰ کے قریب آدمی موجود تھے اور لوگ بعد میں بھی شامل اجتماع ہوتے رہے۔ امیر محترم نے دو گھنٹے مفصل خطاب فرمایا۔ پھر عصر کے بعد عشاء تک سوال و جواب کی طویل نشست ہوئی۔ ڈیٹن سے فاروق حکیم نامی ایک نوجوان یہاں نیو آرک بھی آپہنچا۔ اس نوجوان نے جس جذبہ اور جانفشانی سے بسوں میں سفر کر کے شرکت کی وہ لائق ستائش ہے پھر یہی نہیں بلکہ ساتھ Video کا سارا سامان بھی اٹھائے پھرے اور Video بناتے رہے۔ انہوں نے بعد میں بیعت بھی کر لی۔ اگلے روز ۵ ستمبر کو منظور شیخ صاحب نے ۔ جو نہایت فعال انسان ہیں نہایت تندہی سے کام کیا اور ورکنگ ڈے میں کافی لوگوں کو جمع کر لیا[1]۔ یہاں انہوں نے بیعت کر کے تنظیم میں شمولیت بھی اختیار کر لی۔ اللہ تعالےٰ ان کا ایثار اور قربانی قبول فرمائے اور اپنے دین کی مزید خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے۔ (آمین)

۵ ستمبر کو یہاں سے دوبارہ ڈیٹرائٹ واپسی ہوئی۔ دو دن یہیں قیام رہا۔ ۶ ستمبر کو امیر محترم کے کچھ میڈیکل ٹیسٹ ہونا تھے وہ مکمل ہوئے۔ شام کو رفقاء تنظیم کی میٹنگ طے تھی۔ ڈاکٹر انصاری صاحب اور ڈاکٹر عظمت اللہ کی تو تشریف نہیں لا سکے باقی حضرات موجود تھے۔ ڈاکٹر مظفر اعوان کو ڈیٹرائٹ کی تنظیم کا امیر مقرر کیا گیا۔ Dayton میں جناب قطب الدین صاحب نے فون پر بات کر کے MSA کی طرف سے یونیورسٹی میں ایک پروگرام کی پیش کش کی۔ جسے امیر محترم نے قبول فرمالیا۔ اس طرح ہمیں ڈیٹرائٹ سے ۸ ستمبر کی بجائے ۷ ستمبر کو ہی روانہ ہونا پڑا۔

سارا کیوس ____________ جمعرات کو ساڑھے بارہ بجے دوپہر چل کر ڈیڑھ بجے سارا کیوس (SYRACUSE) پہنچے۔ ڈاکٹر قطب الدین صاحب حیدر آباد (بھارت) سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں شام کو یونیورسٹی آف سارا کیوس کے، جو کافی قدیم تعلیمی درسگاہ ہے، وہاں کوئی ڈیڑھ صدی قدیم Hall of Language میں MSA کے زیر انتظام زیر تعلیم اعلیٰ درجے کے طلباء کے لئے پروگرام تھا۔ پہلے ہم MSA کے دفتر گئے۔ وہاں MSA کے صدر جنید صاحب سے ملاقات ہوئی اکثریت عرب طلباء پر مشتمل ہے۔ اکثر شرکاء PhD کے طلباء تھے کوئی چالیس کے قریب شرکاء تھے۔ خطاب تو امیر محترم کا مختصر تھا مگر سوال و جواب کی نشست طویل تھی جس کے ذریعے تنظیم اسلامی کی دعوت بھی موثر طور پر شرکاء کے سامنے آگئی۔ یہیں ڈاکٹر نیاز صاحب تشریف لائے تھے۔ ان کی جائے رہائش برمنگھٹن یہاں سے کوئی ۷۰ میل دور ہے۔ اس پروگرام کے بعد ان کے ساتھ روانگی ہوئی۔ رات انہی کے ہاں قیام کیا انہوں نے حد درجہ اکرام کیا۔ صبح امیر محترم کی طبیعت قدرے مضمحل تھی۔ پھر آٹھ ستمبر کو صبح برمنگھٹن کے اسلامی مرکز میں جہاں جماعت کا ایک حلقہ موجود ہے، احباب سے

---

[1] شیخ صاحب کی قرآن حکیم سے دلچسپی کا یہ منظر بھی سامنے آیا، اور یہ بات ان کے کم سن بیٹے کے ذریعے معلوم ہوئی کہ وہ دورۂ ترجمۂ قرآن کے کیسٹس کے ذریعے روزانہ ایک سیپارے کی سماعت کرتے ہیں۔

خاصی مفصل ملاقات رہی۔ اس کے بعد جمعہ کا خطاب چونکہ سلرا کیوس میں تھا لہٰذا ڈاکٹر نیاز کے ہمراہ روانگی ہوئی اور وقت سے پہلے سلرا کیوس میں ڈاکٹر قطب الدین کے پاس پہنچے۔ یہاں بھی مسجد عرب حضرات کے زیر اہتمام تھی۔

خطاب کا موضوع تھا 'اسلام کا طریق تزکیہ'۔ امیر محترم نے قرآن و حدیث کے حوالے سے مدلّل خطاب فرمایا اور شرکاء پر قرآن کا طریق تزکیہ واضح فرمایا۔ شام کو ایک دوسرے پروگرام میں 'سیرت مطہرہ' کے موضوع پر امیر محترم نے مختصر خطاب فرمایا۔ شرکاء نے توجہ اور دلچسپی سے خطاب کو سنا۔ صدر مجلس نے بعض لوگوں کا اعتراض نقل کیا کہ سیرت کو بھی Mathematical بنا دیا ہے جس کا امیرِ محترم نے شافی جواب عنایت فرمایا۔ یہاں رات کو MSA کی طرف سے ہوٹل میں قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔

۹ ستمبر صبح ۹ بجے مسجد میں ایک اجتماع تھا پچاس کے قریب مقامی لوگ اجتماع میں شریک تھے۔ امیر محترم نے ہمارے دینی فرائض کے عنوان پر خطاب فرمایا۔ یہاں قیام کے دوران ڈاکٹر قطب الدین کے خلوص و اخلاص نے دل میں اُن کے لئے ایک خاص قدر پیدا کر دی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے یہاں دوپہر کو کچھ آرام کے بعد لندن کے لئے سفر کا آغاز کیا۔ JFK ایر پورٹ پر جناب منظور علی شیخ صاحب اور ان کے ایک ساتھی جناب حبیب چودھری صاحب کے علاوہ بعض دوسرے احباب سے بھی ملاقات ہوئی۔ جناب حبیب چودھری صاحب کسی عذر کے سبب جرسی سٹی کے خطاب میں تو تشریف نہیں لا سکے تھے مگر ماشاء اللہ بڑے جذبے والے ساتھی ہیں اور ہماری دعوت سے مکمل ہم آہنگی رکھتے ہیں اور کام کرنے کے عزم سے مالا مال ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے۔ آمین۔

لندن میں مختصر قیام

نیویارک سے شام آٹھ بجے روانہ ہو کر بحر اوقیانوس کو عبور کرتے ہوئے صبح آٹھ بجے لندن پہنچے۔ یہاں تمام رفقاء ایر پورٹ پر خوش آمدید کہنے کے لئے موجود تھے۔ پونے دس بجے رہائش گاہ پہنچے۔ قیام کا انتظام محترمہ ڈاکٹر مہر النساء صاحبہ کے ہاں تھا۔ موصوفہ کے خاوند بھی ماشاء اللہ ڈاکٹر ہیں اور خود بھی اس دعوت کے کام میں پیش پیش ہیں۔ اور مستزادیہ کہ موصوفہ امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی برادری سے تعلق رکھتی ہیں۔

یہاں اجتماع ریجنٹ پارک کے اسلامک سنٹر کی مسجد میں نماز عصر کے بعد تھا۔
خطاب کا عنوان تھا "مسلمان امت کا عروج و زوال"۔ جماعت اسلامی کا حلقہ خاصی تعداد میں موجود تھا۔ امیر محترم کا خطاب نہایت مدلّل و مفصّل تھا۔ خطاب کے بعد رفقاء سے بھی ایک مختصر ملاقات ہوئی۔

رات کا کھانا جناب صہیب حسن صاحب کے ہاں تھا۔ رات کو دیر سے فارغ ہوئے۔ اللہ تعالےٰ انہیں اس دین حق کے لئے اور زیادہ خدمت کا جذبہ اور مواقع عطا فرمائے۔ آمین۔

میاں ظہور حسن صاحب اور ان کی اہلیہ نے جس محنت اور جانفشانی سے اس دورۂ لندن کے پروگرام کو ممکن بنایا وہ انہی کا حصہ ہے۔ ان کے ایثار اور خلوص کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ لاہور میں قرآن کالج کے لئے عارضی کیمپس کی عمارت انہیں کی کوٹھی میں قائم ہے اور جب تک قرآن کالج کی اپنی تعمیرات مکمل نہیں ہو جاتیں ان کی طرف سے پیش کش ہے کہ کالج اسی کوٹھی میں قائم رہے۔ اللہ تعالےٰ اس جذبے کو اور ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

یہاں معلوم ہوا کہ کناڈا کے فعال رفیق عزیزم انوار الحق قریشی کے برادر اکبر عزیز الحق قریشی سخت علیل ہیں۔ ۱۳ ستمبر کی صبح کو ان کی عیادت کے لئے وقت نکالا۔ شام چھ بجے لندن سے جدہ روانگی کے لئے ایرپورٹ پہنچنا تھا۔ تقریباً تمام مقامی رفقاء اور احباب الوداع کہنے تشریف لائے تھے۔ سید ہاشم صاحب' ان کے صاحبزادے' ڈاکٹر علی رضا' تنویر اسلام اور دیگر حضرات کا ہم شکریہ ادا کرنا نہیں بھول سکتے کہ انہوں نے نہایت جانفشانی سے ان پروگراموں کو کامیاب بنایا۔

دیارِ حرم میں

سعودیہ ایرلائنز کی پرواز ۹ بجے روانہ ہو کر صبح ۷ بجے جدہ ایرپورٹ پہنچی۔ یہاں بھی ہشاش بشاش چہرے استقبال کے لئے موجود تھے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اسلاف اور قرونِ اولیٰ کا سا جذبہ عطا فرمائے (آمین)۔ جناب حبیب صاحب' جناب فیض اللہ صاحب' جناب یحییٰ منشی صاحب' جناب رحمانی صاحب' جناب پرویز صاحب' افتخار صاحب اور دیگر رفقاء و احباب موجود تھے۔ چونکہ رات بھر کا سفر کیا تھا' اس لئے دن کو آرام کیا۔ عصر کے وقت کچھ رفقاء تشریف لے آئے۔ بعد مغرب اجتماع تھا۔ رفقاء کا مجمع تھا اور امیر محترم اظہار خیال فرما رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہاں سعودی عرب میں دوسرے تنظیمی کاموں میں رکاوٹ ہے تو دعوت کے پھیلاؤ اور اشاعت پر سب سے زیادہ زور دیں۔ یہاں سے ۱۱ بجے رات فارغ ہوئے۔ اسی دوران فاروق چشتی صاحب حسب وعدہ تشریف لے آئے اور یوں عمرہ کے لئے روانگی ہوئی۔ رات ساڑھے بارہ بجے حرم مکی پہنچے۔ دو بجے عمرہ ادا کر کے فارغ ہوئے تھوڑا آرام کیا۔ نماز فجر کے بعد راقم طائف کے لئے عازم سفر ہو گیا اس لئے کہ عرصہ سے شوق تھا کہ وہ جگہ دیکھی جائے جہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچائی گئیں۔ یہ آثار ابھی تک محفوظ ہیں۔ ایک مسجد بھی یہاں موجود ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا تھا۔ یہاں دیکھ کر یہ خیال شدت سے پیدا ہوا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی راہ میں تکالیف برداشت کیں تو ہما شما کیوں آرام سے ٹھنڈے گھروں میں گاؤ تکیے لگا کر بیٹھے رہیں اور دین کی خدمت صرف زبانی جمع خرچ (Lipservice)

تک ہی محدود رہے۔ یہاں طائف میں ڈاکٹر شجاعت علی برنی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ راقم کے ہمراہ مکہ آگئے۔ امیر محترم کے علاوہ دوسرے احباب سے بھی ملاقات رہی۔ رات ۱۰ بجے کے قریب مکہ سے روانہ ہو کر ہم جدہ پہنچے اور ڈاکٹر برنی صاحب طائف روانہ ہو گئے۔

۱۶ ستمبر کو مدینہ شریف روانگی تھی۔ فلائٹ میں تاخیر تھی۔ خیال تھا کہ بعد ظہر مدینہ شریف میں پہنچ جائیں گے مگر بعد عصر حاضری ہوئی۔ استقبال کے لئے چشتی صاحب اور حبیب چودھری صاحب موجود تھے۔ اذان مغرب کے وقت مسجد نبوی میں پہنچ سکے۔ عشاء تک وہیں حرم نبوی میں منبر رسول اور روضۂ رسولؐ کے درمیان ریاض الجنۃ ہی میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ نفل ادا کئے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی سے ملاقات ہوئی۔ بعد میں قاری شہاب الدین صاحب (جو جناب عاکف سعید صاحب کے استاد تھے) سے بھی ملاقات ہوئی۔ ان سے مولانا عبد المالک جامعی صاحب کے متعلق استفسار کیا۔ انہوں نے دوسرے دن رابطہ کرنے کا وعدہ کیا۔ رات کے کھانے پر جناب حسن ظہیر صاحب نمائندہ جنگ نے رات دس (۱۰) بجے کا وقت انٹرویو کے لئے مختص کر لیا۔ رات کو تھکاوٹ کے باعث یہ ملاقات ممکن نہ ہو سکی لہٰذا مشورہ کے بعد اسے صبح پر ملتوی کر دیا۔

۱۷ ستمبر کو علی الصبح مولانا جامعی صاحب کی تلاش میں نکلے۔ پہلے قاری عبد الرحمان تونسوی صاحب (سابق خطیب مسجد خضراء سمن آباد لاہور) کے مدرسے گئے۔ وہ موجود نہیں تھے۔ اسی بلڈنگ میں سری پائے کا ناشتہ کیا جو بڑا مزیدار رہا۔ قاری عبد الرحمان صاحب تشریف لائے تو ملاقات ہوئی اور مولانا جامعی صاحب کا پروگرام معلوم ہوا۔ فون پر مولانا سے بات چیت ہوئی اور ۱۲ بجے دوپہر کا وقت ملاقات کے لئے طے ہوا۔ ہوٹل واپس پہنچے تو جناب حسن ظہیر صاحب نمائندہ جنگ انٹرویو کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ اسی دوران راقم اور امیر محترم نے وقت نکال کر علیحدہ علیحدہ حرم نبوی میں حاضری دی۔

ریاض اور الواسع

یہیں سے ریاض کے لئے روانگی تھی۔ جہاز میں بیٹھے تو بڑا عجیب اعلان ہوا کہ مدینہ سے ریاض کی پرواز کے لئے جہاز پہلے "ینبوع" تیل لینے کے لئے جائے گا۔ بہر حال مدینہ النبی سے براستہ ینبوع چھ بجے شام ریاض پہنچے۔ مغرب کی اذان کا وقت تھا۔ تمام مقامی رفقاء ایرپورٹ پر موجود تھے۔ ان کے علاوہ افتخار الدین صاحب، حبیب صاحب، امان اللہ صاحب، عبد المقیت صاحب (جو ڈاکٹر تقی الدین صاحب کے کزن ہیں) اور کراچی کے انوار فاروقی صاحب بھی موجود تھے۔ نماز ایرپورٹ پر ہی ادا کی۔ یہاں سے رشید عمر صاحب کے ہاں پہنچے جو ایک مقامی فوڈ ایجنسی میں منیجر ہیں۔ تھوڑا تازہ دم ہو کر چودھری صادق صاحب آف سیالکوٹ کے ہاں گئے جہاں اجتماع طے تھا۔ سب احباب جمع ہوئے۔ امیر محترم نے ایمان کے موضوع پر خطاب فرمایا اور سوال و جواب کی نشست بھی رہی۔

صبح ناشتہ مقصود صاحب یکے از خان برادران کے ہاں تھا۔ شام الواسع کا پروگرام تھا۔ اشرف وصی صاحب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جناب انور مسعود صاحب جو وہاں کے مقامی امیر ہیں' رفقاء کو لے کر پہنچے۔ شام پونے پانچ بجے پہنچ کر وسیع باغ میں ایک انتہائی خوبصورت مسجد میں نماز ادا کی۔ شالا مار باغ کا سماں نظروں میں گھوم گیا۔ امیر محترم نے ایمان اور جہاد کے موضوع پر مختصر خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ ایمان کے تین درجے ہیں اور جہاد کے بھی اسی طرح تین ہی درجے ہیں۔ عشاء تک یہ پروگرام رہا۔ سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ رات کھانے سے فارغ ہو کر دیر سے ریاض پہنچے۔ صبح معلوم ہوا کہ امان اللہ صاحب اور عبدالمقیت صاحب بھی الواسع پہنچنا چاہتے تھے مگر دوران سفر راستہ بھول گئے اور تقریباً چار سو میل سفر کر کے بھی وہاں نہ پہنچ سکے۔ اللہ تعالےٰ ان کے خلوص اور اس تکلیف کا اجر عطا فرمائے۔

۱۹ ستمبر دوپہر کا کھانا انوار فاروقی صاحب کے ہاں تھا۔ عصر کے بعد اخباری نمائندوں کا ایک وفد ملاقات کے لئے آیا جو جنگ' نوائے وقت' شباب اور تکبیر کے نمائندوں پر مشتمل تھا۔ یہ سلسلہ مغرب تک رہا۔ مغرب کے بعد بھی تھوڑی دیر انٹرویو جاری رہا۔ ابھی تشنگی باقی تھی کہ عشاء کے بعد کے اجتماع کے لئے روانگی کی وجہ سے معذرت کرنا پڑی۔

عشاء کے بعد رابطۂ اسلامی کے تحت اجتماع تھا۔ سب لوگوں کا احساس تھا کہ یہ اجتماع Unprecedented تھا کہ ریاض میں ایسے بھرپور اجتماعات کا تصور ہی نہیں ہے۔ حاضری ۱۵۰۰ سے متجاوز تھی۔ امیرِ محترم کا سوا دو گھنٹے کا خطاب نہایت متاثر کن اور ولولہ انگیز تھا۔ سامعین ہمہ تن گوش تھے اور کامل یکسوئی سے متوجہ رہے۔ اکثر لوگ کھڑکیوں کے پیچھے کھڑے ہو کر تقریر کی سماعت کرتے رہے

طے شدہ پروگرام کے مطابق ۲۰ ستمبر کو رفقاء کا اجتماع تھا۔ مگر دمام کے پروگرام کی وجہ سے یہ اجتماع پہلے کرنا پڑا۔ رات ۳۰۔ ۱۱ بجے تقریر سے فارغ ہو کر جناب الطاف پراچہ صاحب کے ہاں جانا ہوا جہاں ہم کھانے پر مدعو تھے۔ آپ ہسٹری کے پروفیسر ہیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر رات ۲۵۔ ۱۲ بجے اجتماع کا انعقاد ہوا۔ امیر محترم نے تفصیل سے رفقاء کا نقطہ نظر سنا۔ یہاں لوگوں کو "سود" کے بارے میں کچھ اشکال تھا۔ امیر محترم نے اس کا شافی جواب دیا اور دیگر معاملات پر بھی تفصیل سے گفتگو ہوئی۔

دمام

۲۰ ستمبر کی صبح کچھ آرام کا موقع ملا۔ گیارہ بجے کی فلائٹ سے دمام روانگی ہوئی۔ بارہ بجے دمام پہنچے۔ یہاں عباس ملک اور شہباز الدین چودھری صاحب لاہور سے تشریف لائے تھے۔ محترم عباس ملک صاحب نے واضح انداز میں بتایا کہ وہ پورے طور پر IJI کے حامی ہیں۔ شام کے کھانے پر بھی یہی اندازِ گفتگو تھا۔ رات ابتدائی کلمات میں سٹیج سیکرٹری جناب انوار الحق صاحب نے بھی پاکستان میں پی پی پی کی نسوانی قیادت پر تنقید کی اور امیر محترم سے گویا دبے الفاظ میں ان کے سیاسی موقف کی وضاحت چاہی۔ یہاں امیر

محترم کی تقریر کا عنوان تھا "امت مسلمہ کا عروج و زوال" امیر محترم نے انشراح صدر سے خوب مفصل خطاب فرمایا اور ایک نئے اسلوب سے اس موضوع پر روشنی ڈالی۔ تقریر کے آخر میں پاکستان کی موجودہ سیکولر جمہوریت کے فروغ کے بارے میں فرمایا کہ جمہوریت تو لوگوں کے ووٹوں کے بل پر ہی قائم ہوتی ہے لہذا اگر پاکستان میں اس وقت ایک سیکولر مزاج کی حامل پارٹی برسر اقتدار ہے اور اس کی سربراہ بھی ایک بے پردہ عورت ہے تو جان لینا چاہئے کہ اس کا ذمہ دار اولاً پاکستان کا ہر وہ شہری ہے جس کے گھر میں شرعی پردہ نہیں ہے۔ ہم اپنی بوئی ہوئی فصل ہی تو کاٹ رہے ہیں ثانیاً اس کا ذمہ دار سابقہ حکمران اور مارشل لاء کا دور ہے جس میں عورتوں کو گھروں سے نکال کر وزیر بنایا گیا اور "شانہ بشانہ" کا نعرہ لگایا گیا۔ اب اگر موجودہ حالات میں لوگوں نے وزیر سے ایک عورت کو وزیر اعظم بنادیا ہے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ لوگ اس بات سے بہت مطمئن ہوئے۔ امیر محترم نے سامعین کو جھنجھوڑنے کے لئے یہ بات بھی کہی کہ یہاں آپ کو تشویش تو بہت ہے مگر آپ حضرات تو یہاں اپنے Careers اور ملازمتوں میں جکڑے ہوئے ڈالر بنا رہے ہیں۔ اگر موجودہ جمہوری نظام پر آپ کو اتنی ہی شدید تشویش ہے تو اٹھیں' نکلیں اور حالات کا رخ موڑنے کی کوشش کریں۔ پھر دیکھئے کہ حالات تبدیل ہوتے ہیں یا نہیں۔ اور اگر آپ نے عملاً تو کچھ کرنا نہیں صرف تشویش کا اظہار کر کے گھروں میں جاکر بیٹھ رہنا ہے تو حالات اس سے بھی زیادہ خراب ہو کر رہیں گے اور ہم کف افسوس ہی ملتے رہ جائیں گے۔

سوال و جواب کے وقفہ میں کوئی خاص سوال نہیں آیا۔ غالباً لوگوں کو اپنے سوالات کا جواب ڈاکٹر صاحب کے خطاب ہی میں مل گیا تھا۔ رات ۳۰-۱۱ یہ اجتماع ختم ہوا۔ اسی رات ایک بجے پاکستان کے لئے فلائٹ تھی۔ وہاں سے روانہ ہو کر صبح ساڑھے چھ بجے لاہور پہنچ گئے۔ آنبون تانبون...... اب لاہور ہے اور یہاں کی روزمرہ کی مصروفیات ہیں۔ اللہ تعالے یہ سفر اور مشقت قبول فرمائے۔ آمین۔

ضرورت رشتہ

راجپوت ذات کی ایک ۲۴ سالہ دوشیزہ' تعلیم ایف اے' کے لیے کم از کم ایف اے پاس برسر روزگار' دیندار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: عبداللطیف خان ناصر' مکان نمبر ای ۳۵۴' گلی ۷' مدینہ کالونی والٹن۔ لاہور۔ کوڈ - ۵۴۷۵۰

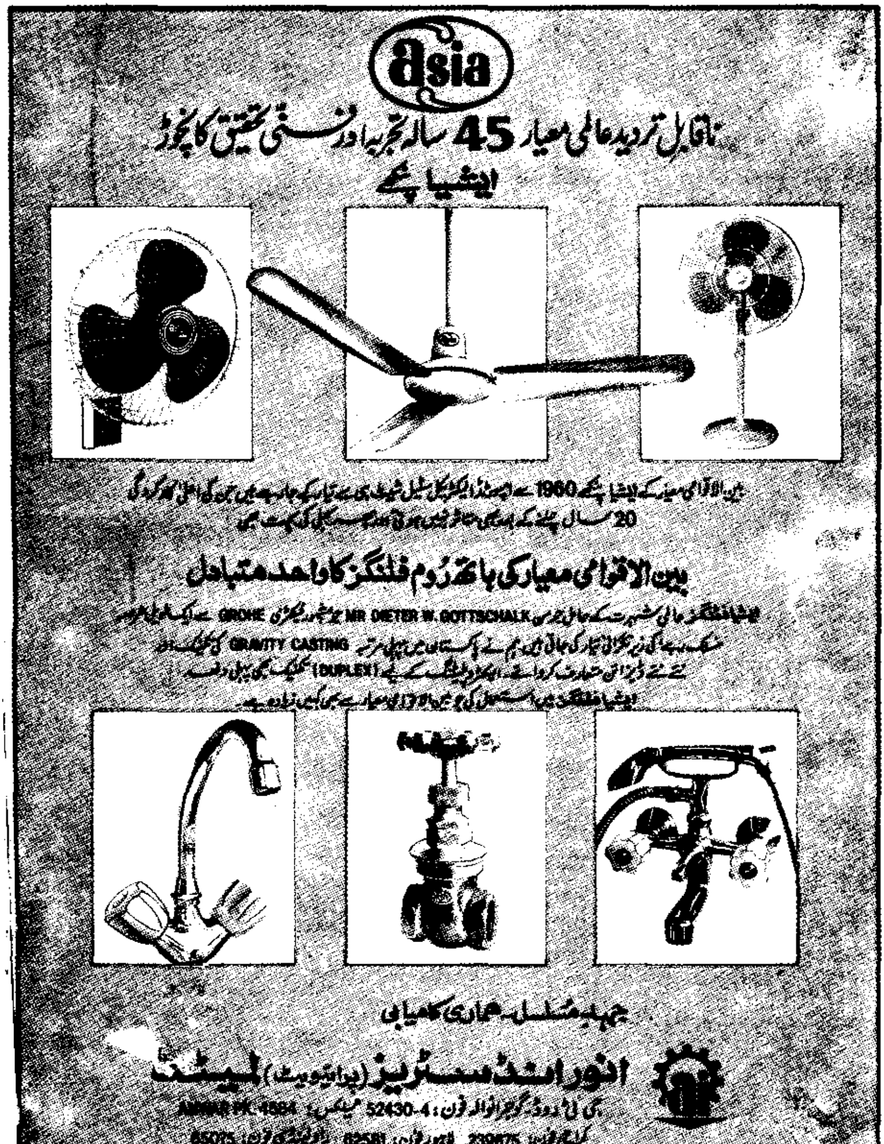
asia
ناقابلِ تردید عالمی معیار 45 سالہ تجربہ اور فنی تحقیق کا نچوڑ
ایشیا پنکھے
بین الاقوامی معیار کی باتھ رُوم فٹنگز کا واحد متبادل
MR DIETER W. GOTTSCHALK
GROHE
GRAVITY CASTING
(DUPLEX)
جہدِ مسلسل۔ ہماری کامیابی
انور انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
52430-4
239675
02581
65075

Jawad® Products

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

For further details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,

IV/C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018/625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd.L.No 736
VOL.38 No.
Oct 198

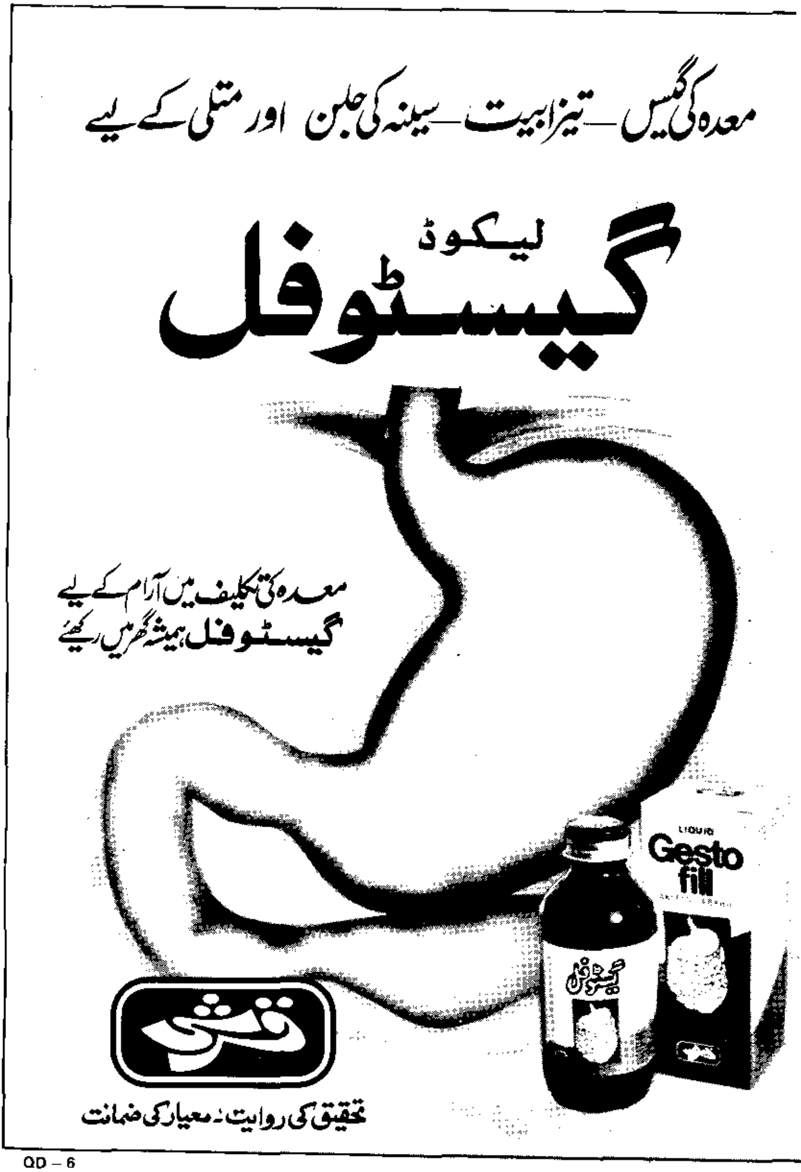

QD – 6